کلامِ تنویر



منظوم کلام

محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب

کلامِ تنویر

منظوم کلام

محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب

(سابق ایڈیٹر، روزنامہ الفضل)

مرتبہ

مبارک احمد تنویر

مجموعہ کلام : کلام تنویر

شاعر : محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب

مرتبہ : مبارک احمد تنویر

تعداد : 500

سن اشاعت : 2017ء

رابطہ :

Mubarak Ahmad Tanvir
101, Regency Dr.
Northwales, P.A 19454 - U.S.A

A Collection of Poetry (Urdu)
Kalam-e-Tanvir
by:
Sheikh Roshan Din Tanvir Sahib

انتساب

ہم اپنی کتاب ’’کلام تنویر‘‘
سرورِ کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس اور
سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
نیز ہر اس شخص کے نام کرتے ہیں
جن کا وجود دوسرے لوگوں کیلئے
امن وآشتی کا باعث ہو
آمین اللھم آمین۔

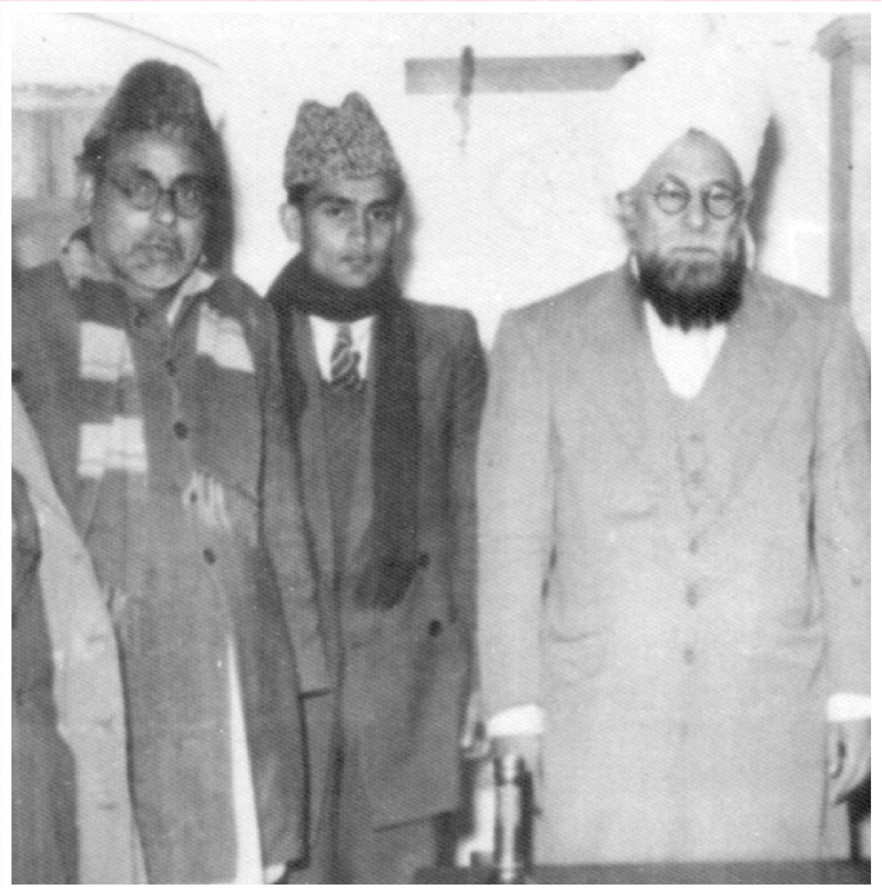
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَحۡمَدَ الۡمَوۡعُوۡدِ

فہرست کلامِ تنویر

نمبر شمار	کلام	صفحہ نمبر



محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب اپنے آقا
سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ



محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب اپنے آقا
سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کے ساتھ

پیش لفظ

سیالکوٹ کی سرزمین نے بہت سے ناموروں کو جنم دیا جن کا نام آسمانِ ادب اور فلکِ سخنوری میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ انہی مشاہیر میں سے ایک ہمارے شیخ روشن دین تنویر صاحب بھی ہیں جن کی شاعری کلاسیکی رنگ اور تکنیکی اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔ بے شک وہ اس ترقی پسندی، جو اُن کے زمانے میں ایک تحریک کی صورت میں اُبھری، کے اثر سے نا آشنا نہ تھے کیونکہ وہ انہی کے دور میں پیدا ہوئی تھی۔ لیکن وہ اس سے متاثر نہ ہوئے بلکہ شعری روایت پسندی کو اپنا شعار بناتے ہوئے اپنے عہد کے مشہور شاعروں جگر مرادآبادی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی اور حسرت موہانی کے ہم سفر رہے۔

ان کا زیادہ تر کلام نظموں پر مشتمل ہے اور انہوں نے نظم گوئی میں ہی زیادہ طبع آزمائی کی لیکن اپنا اسلوب، اگر یہ کہا جائے ''احمدیہ دبستان'' کے زیرِ اثر رکھا، تو یہ بے جا نہ ہوگا اور یہی اسلوب ان کی انفرادیت کا غماز ہے۔ اس ادبی رنگ میں ہی انہوں نے اپنے افکار کو سمویا اور اپنے موضوعات کی بنیاد رکھی۔ یہ اشعار اسی رنگ اور اسلوب کے آئینہ دار ہیں:

ہم کو کرن ملی ہے سراجِ منیر کی
تاریکیوں کے سائے مٹاتے ہوئے چلو
ہم کو عطا ہوئی ہے نئی زندگی کی سانس
مُردوں کو تربتوں سے اُٹھاتے ہوئے چلو

منہ زور ہے گر اشہبِ تہذیب تو کیا خوف
پھر دین کے ہاتھوں میں عناں آتو رہی ہے

یہ ایک سلسلہ در سلسلہ ہے طوبیٰ کا
گیاہِ خوردہ و خاشاک و خس کی بات نہیں

علم حق اے شیخ پابند زباں دانی نہیں
ساری انشا ہیچ ہے گر فضلِ سبحانی نہیں

یہ ترے قاموس کے طوفان ہیں بے فائدہ
چشمۂ دل میں ترے گر عرش کا پانی نہیں

خداوند بزرگ و برتر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفائے احمدیت کی محبت، ارادت، عقیدت، خلوص اور والہانہ تعلق ان کے کلام میں ایک چشمہ کی طرح جاری و ساری ہے اور ان کے کلام میں چھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ درحقیقت انہوں نے اپنی شعری زندگی انہی کی محبتوں اور عقیدتوں میں سمو رکھی ہے۔

وہ خاتم الانبیاء خدا کا حبیب اور محترم ہمارا
کہ جس کے احساں کے بار سے سر رہے گا تا حشر خم ہمارا

وہ جس نے زندہ کیا جہاں میں تمدّنِ فطرت الٰہی
وہ جس نے ہستی کی رفعتوں پر نصب کیا ہے علم ہمارا

بنا دیا ہے جسے پیر دور گردوں نے
پھر اس ہوا میں وہ ایماں جوان ہے میرا

محکم ہے کیوں نظامِ ہمارا سنو سنو
محمود ہے امام ہمارا سنو سنو

تنویر صاحب کے کلام میں فنِ شاعری کے تمام رموز اور تکنیکی سلیقے، معنوی تلازمے، ایمائیت، اختصار، جذبِ دروں، تغزل، ترنم، ادبی محاسن، منظر نگاری، مرقع نگاری، جذبات نگاری، تخیل کی بلند پروازی، رجائیت جیسے سب عناصر موجود ہیں جو ان کی شاعرانہ عظمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے شعروں میں ان فنی تقاضوں کو کہیں فراموش نہیں کیا۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور ادبی پرچوں میں شائع ہوتے رہے۔ لیکن جس روحانی انقلاب کے داعی تھے اس سے عمر بھر وفا نبھائی۔

نبض میں بیمار کی پھر اضطراب آہی گیا
موج کی آغوشِ لرزاں میں حباب آہی گیا
چشمِ ساقی کا فسوں تو دیکھنا اے میکشو
پھر تڑپ کر دور میں جامِ شراب آہی گیا
منتظر جس کے رہے علامہ اقبال سے
وہ نہ گو سمجھے مگر وہ انقلاب آہی گیا
دیکھنے آتے تھے اے تنویر! اہلِ دل جسے
دام میں تعبیر کے آخر وہ خواب آہی گیا

پروفیسر مبارک احمد عابد

16 نومبر 2017 — لندن

ہمارے پیارے ابا جان

پیارے ابا کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے خاص فضل سے اعجازی رنگ میں احمدیت قبول کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ یہ کوئی وقتی کیفیت اور رسمی بیعت نہ تھی بلکہ ایک ایسی عظیم روحانی تبدیلی اور نئی زندگی تھی جس نے آپ کی شب وروز کی کیفیات کو یکسر بدل ڈالا اور ایمان، یقین، توکل، معرفت اور محبت کی عظیم الشان دولت آپ کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امام آخر الزماں علیہ السلام پر ایمان اور خلافت کا ایسا عرفان آپ کو نصیب ہوا کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس عظیم مقصد کیلئے وقف کر دیا کہ مدلل اور بین دلائل کے ساتھ ساری دنیا پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو ثابت کر سکیں۔ آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس عظیم مقصد کی تعمیل کیلئے قلم کا ہتھیار ہاتھوں میں تھام کر علمی جہاد کے میدان میں اترے اور زندگی کے آخری سانس تک پوری ہمت اور جوش کے ساتھ اپنے عہد بیعت کو نبھاتے رہے۔

آپ کی زندگی احمدیت کے عشق اور خلافت سے وفا کا دوسرا نام تھی۔ اپنے بچپن سے ہی ہمیں ان جذبوں کے اظہار کے دلفریب نظارے دیکھنے کو ملے۔ اگرچہ آپ شاعر، ادیب، مفکر اور علم دوست انسان تھے اور بسا اوقات گہرے خیالات اور موجوں کے عمیق سمندر میں ڈوبے، لفظوں کے موتی چن چن کر لانے اور انہیں کاغذوں پر بکھیرنے میں مصروف رہتے تھے لیکن اپنی ذمہ داریوں اور رشتوں کی اہمیت سے غافل نہ تھے۔ ہر ایک کے جذبات کا خیال رکھتے اور ضروریات کا فکر کرتے۔ کبھی کبھی شام کو ہم بستروں میں جاتے تو ہمیں اپنی

زندگی کے اہم واقعات تفصیل سے سناتے۔اب بھی خواب کی طرح وہ واقعات ذہن کے گوشوں میں محفوظ ہیں۔کبھی یونہی باہر سیر کو نکلتے تو ہمیں بھی ساتھ لے لیتے اور بازار سے ہماری دلپسند مٹھائی چیزیں وغیرہ دلواتے۔

ایک دن یونہی بازار جارہے تھے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کسی شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے وہاں سے گذر رہے تھے اور ابا کو دیکھ کر کار میں ہی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر سلام کیا۔ابا کے سارے وجود میں گویا زندگی کی لہر سرایت کر گئی۔اتنے خوش تھے گویا ہفت اقلیم کا خزانہ ہاتھ آ گیا ہو۔

ابا صبح اپنی دلکش مترنم آواز میں یہ شعر پڑھتے ہوئے ہمیں اٹھاتے:

جاگو جاگو کہ شب تمام ہوئی
نور سے خاک ہم کلام ہوئی
نیند ہر آنکھ پر حرام ہوئی

ہمارے پیارے ابا اچھے مصور بھی تھے اور ہمیں نہایت اعلیٰ درجہ پھولوں یا جانوروں کی چھوٹی چھوٹی تصویریں کاغذ پر بنا کر دیتے لیکن محض ہمارے بچپن کی وجہ سے ہمیں خوش کرنے کیلئے۔کبھی ان تصویروں کو سنبھال کر نہ رکھا اور نہ ہی کبھی ان کو کوئی اہمیت دی۔بچپن میں ہمیں چھوٹے چھوٹے جانور رکھنے کا شوق تھا تو ہماری خوب حوصلہ افزائی کرتے ابا انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔لباس کھانا، رہائش انتہائی سادہ ہوتی۔نمود و نمائش کو بالکل پسند نہ کرتے۔طبیعت میں کسی قسم کا لالچ نہ تھا جو کچھ الاؤنس ملتا اسی میں گذارا کرتے۔اگر کبھی کہیں سے کوئی رقم ملتی تو اپنی ذات پر یا گھر پر خرچ کرنے کے بجائے چندہ میں دے دیتے۔کبھی بھی اپنے آرام و آسائش کیلئے کچھ نہیں خریدا۔اچھا کھانا پسند کرتے تھے لیکن جو میسر ہوتا

اسے بھی صبر و شکر اور نہایت احسان مندی کے جذبات کے ساتھ کھاتے۔ ہماری امی کے نہایت ممنون احسان رہتے اور ان کی خدمات کی بہت قدر کرتے۔ ایک دفعہ بہت بیمار ہو گئے تو امی نے دل وجان سے بہت خدمت کی جس کا اظہار بار بار کرتے۔ حتیٰ المقدور کوشش کرتے کہ اپنا کام خود ہی کریں۔

آپ نہایت حساس طبیعت کے مالک تھے۔ زندگی میں بہت سے صدمات برداشت کرنے پڑے۔ آپ کی پہلی بیوی چار چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر وفات پا گئی تھیں۔ ان کی پرورش ماں اور باپ بن کر کی۔ اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ رشتے کئے۔ ہماری امی سے شادی کے بعد گھریلو لحاظ سے بہت پرسکون زندگی گزاری۔ لیکن گزشتہ صدموں کی بازگشت اکثر سنائی دیتی۔ بلند آواز تھے۔ اور بسا اوقات غصہ بھی آجاتا تھا لیکن فوراً ہی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا اور استغفار کرتے۔ دُعاؤں میں مصروف ہو جاتے ہمارے اچھے مستقبل کیلئے بے قرار رہتے۔ بہت فکر بھی کرتے۔ دُعاؤں کے ساتھ ساتھ نیک امیدوں کا اظہار بھی کرتے۔ اللہ کرے کہ ہم ان کی نیک امیدوں پر پورے اُترنے والے ہوں اور ہم اور ہماری نسلیں ہمیشہ خلافت اور احمدیت سے وابستہ رہیں۔ آمین۔

ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ ابا کے کلام کو یکجا کر کے کتابی شکل میں قسطوار شائع کریں۔ اللہ توفیق عطا فرمائے اس سلسلہ میں ہم برادرم حبیب الرحمن زیروی صاحب کے بیحد شکرگزار ہیں جو بارہا ابا کے کلام کو اکٹھا کر کے ہمیں بھجواتے رہے۔ بعض نایاب نظمیں بھی ہمیں ڈھونڈ کر دیں اور ہر رنگ میں خدمت کیلئے تیار رہتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً۔

والسلام طالب دعا

مبارک احمد تنویر اور فرحت تنویر واکر

روشن دین تنویؔر سے

یہ نظم مکرم عبدالمنان ناہید صاحب نے اپنے دوست مکرم روشن دین تنویر صاحب کے قبول احمدیت کے موقع پر کہی:

اے شیخ محترم! میرے تنویر حق پرست
وہ دن ہیں یاد دِل ترا حق سے نفور تھا

آشوبِ روزگار میں گُم مقصدِ حیات
دل کا سفینہ عشق کے ساحل سے دُور تھا

تھی دولتِ نشاط سے بے بہرہ زندگی
سینہ تھا داغ داغ تو دِل چُور چُور تھا

اس کردگارِ عشق کی اُلفت کے دام میں
اے مرغِ خوشنوا! تجھے آنا ضرور تھا

پڑھتا ہوں آج جب بھی ترا شعر دلنشیں
میں سوچتا ہوں کس لئے پنہاں یہ نُور تھا

ظاہر میں گو سدا رہے ہے ساقی سے دُور دُور
در پردہ اس سے ایک تعلق ضرور تھا

اہل وفا کو آپ بھی کیا کیا کہا کئے
فطرت کا نُور جب ابھی تحت الشعور تھا

''آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دِل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا''

○○

خودنوشت حالات وواقعات

از: محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب ۔بی.اے.ایل.ایل.بی
سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ

میں سکول کے رجسٹر کے مطابق 20/اپریل 1892ءکو سیالکوٹ میں پیدا ہوا۔ میرے والدین ان پڑھ تھے۔ اس لئے میری پیدائش کا ریکارڈ انہوں نے نہیں رکھا البتہ جس شخص نے مجھے سکول میں داخل کرایا اس نے زبانی بتانے پر اندازے سے یہ تاریخ درج کرادی تھی۔ ہمارا مکان سیالکوٹ محلہ موری دروازہ میں واقع ہے۔ میری ابتدائی تعلیم محلہ کی مسجد میں ہوئی۔ جہاں قرآن کریم ناظرہ پڑھا اور اردو کی پہلی کتاب پڑھی اس لئے شروع میں ہی مجھے دوسری جماعت میں داخلہ مل گیا۔ میں نے میٹریکولیشن کا امتحان سکاچ مشن ہائی سکول سے پاس کیا۔ مذہبی باتوں میں دلچسپی یہیں سے پیدا ہوگئی تھی۔ ان دنوں مذہبی مباحثوں کا بڑا چرچا تھا۔ سکول میں بھی اکثر آریہ لڑکوں سے مذہبی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ انجیل تو باقاعدہ پڑھائی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں مجھے ادب کی طرف بھی رجحان پیدا ہوگیا تھا۔ اس وقت جتنا لٹریچر اردو زبان میں مل سکتا تھا سب پر عبور ہوگیا تھا۔ مذہب میں سرسید احمد کی تحریریں بھی زیر مطالعہ آتی تھیں۔ میٹریکولیشن کے مرحلہ سے گذر کر مَیں مرے کالج سیالکوٹ میں داخل ہوا یہ کالج بھی سکاچ مشن والوں کا ہی تھا۔ سید میر حسن صاحب جو علاّمہ اقبال مرحوم کے بھی استاد تھے، پہلے سکول اور پھر کالج میں عربی پڑھاتے تھے۔ آپ مذہب میں سید احمد کے بڑے

مداح تھےاور عربی کےعلاوہ فارسی اور اردو زبان پر بھی عالمانہ عبور رکھتے تھے۔ میں کالج میں عربی اور گھر پر ان سے فارسی بھی پڑھتا تھا۔

میں نے مرے کالج سے بی اے پاس کیا اور پھر لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔1946ء تک وکالت کی پریکٹس کرتا رہا ہوں۔فروری 1940ء میں میں نے عید الاضحیہ کے دن بیعت کا فارم پر کیا تھا۔ میرے کئی رشتہ دار احمدی تھے اکثر ان کے مکان پر احمدی مبلغین سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور بحثیں بھی مگر ان بحثوں کا نتیجہ نہ نکلتا تھا۔ بحث برائے بحث ہی ہوتی تھی۔1939ء میں جلسہ سالانہ پر جب سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی پچیس سالہ خلافت کی جوبلی منائی گئی تھی میں بعض دوستوں کی دعوت پر قادیان پہلی دفعہ آیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں سپیشل ٹرین پر جو سیالکوٹ سے قادیان کو سیدھی آتی تھی سوار ہوا تھا۔ ٹرین میں چونکہ صرف احمدی احباب ہی تھے۔ان کے طور وطریق سے جو متقیانہ تھے میں بہت متاثر ہوا۔خاص کر ویرکا سٹیشن پر جہاں گاڑی کچھ عرصہ کیلئے امرتسر سے آئی ہوئی سواریاں سپیشل ٹرین پر چڑھیں لوگوں کا شوق وذوق دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔انتہائی سردی کے موسم میں برقعہ پوش خواتین اکثر بچوں کو سینوں سے لگائے ہوئے تعلیم یافتہ خاوندوں، بھائیوں اور والدین کے ساتھ بہجوم در بہجوم ٹرین کی طرف لپک رہی تھیں۔ یہ منظر نہایت ہی پر اثر تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں آدھا مرزائی تو اب تک ہو چکا تھا تاہم ابھی انکار کا جذبہ بھی موجود تھا۔

قادیان میں اپنے ایک ہمراہی کے رشتہ دار کے گھر قیام کیا۔ایک کمرہ میں کسیر کا فرش بچھا تھا اسی پر بستر لگا لیا۔دال کے ساتھ تنوری روٹی کا مزا اسی دن معلوم ہوا۔ جوبلی کا جلسہ بڑا پُر رونق تھا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تقریروں کا اثر بیان سے باہر ہے تاہم جلسہ کے اختتام تک میں غیر احمدی ہی رہا۔واپسی پر راستہ میں کسی دوست سے لیکر ایک کتاب

''انقلاب حقیقی'' کا مطالعہ کیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں پورے کا پورا'' مرزائی'' ہو چکا ہوں۔ یہ بنیاد بڑی مستحکم ثابت ہوئی۔ چنانچہ میں جماعت احمدیہ سیالکوٹ میں جمعہ کی نماز کیلئے جانے لگا۔ آخر جیسا کہ اوپر کہہ آیا ہوں فروری1940ء بروز عید الاضحیہ کو بیعت کا فارم پر کر کے مقامی امیر جماعت کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اس پر عام مسلمانوں نے تو شاید کوئی نوٹس نہ لیا البتہ پیغامیوں میں سے ایک دوست چند روز بعد میرے مکان پر تشریف لائے۔ وہ مجھے پہلے ہی جانتے تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بیٹھنے کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ کیا آپ نے مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھی ہیں؟ میں نے کہا کچھ کچھ پڑھی ہیں۔فرمانے لگے کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں تھا۔ میں نے کہا اچھا! یہ بات ہے تو مجھے اپنی بیعت واپس لینی پڑے گی کیونکہ اگر وہ نبی نہیں تھے تو بیعت کا مجھے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ سن کر وہ ذرا بوکھلا گئے پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے رخصت ہو گئے۔

ایسا ہی ایک واقعہ قادیان میں بھی ہوا۔ میں ان صاحب کا نام نہیں لینا چاہتا۔ان دنوں الفضل میں نیا نیا آیا تھا اور میں نے'' زندہ خدا زندہ رسول اور زندہ کتاب'' پر الفضل میں متواتر اداریے لکھے تھے۔اس کے بعد آج تک خاموش ہیں اور عقیدہ پر ان سے گفتگو نہیں ہوئی۔

میں الفضل میں 16 اکتوبر 1946ء کو بطور ایڈیٹر کے آیا تھا۔ 1940ء سے لیکر اکتوبر 1946ء تک سیالکوٹ میں ہی رہا۔ اس دوران اکثر بار بعض علماء سے بھی تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ ان میں سے ایک مولوی مودودی صاحب بھی ہیں جو ان دنوں اکثر سیالکوٹ آیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہاں ایک حلقہ اپنے ہم خیالوں کا بنالیا ہوا تھا۔ میں اکثر ان کی مجالس میں شمولیت کرتا رہا ہوں۔ ایک روز تو قریباً دو گھنٹے آپ سے مناظرہ بھی ہوتا رہا۔ میرا اُن سے مطالبہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک مثال ایسی بتائیے کہ کسی نبی نے پہلے حکومت قائم

کر کے اپنا دین پھیلایا ہو۔آپ کہتے ہیں ہم طریق نبوت پر کام کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بغیر حکومت کے دین قائم نہیں ہوسکتا۔لیکن ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ کسی نبی نے بھی پہلے حکومت قائم کر کے دین کی تبلیغ نہیں کی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی کہ پہلے اقتدار ہاتھ میں لے لو اور یہ کہ اقامت دین کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کرنا لازمی ہے یا یہ کہ انبیاء علیھم السلام کا منتہائے مقصود حکومتی اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا ہے بلکہ ہمیشہ ان کا منتہائے مقصود انابت الٰہیہ ہی رہا ہے۔قرآن کریم کی تعلیم بھی قرب الٰہی ہی کی راہنمائی کرتی ہے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔البتہ حکومت ایک انعام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کو ان کے تقویٰ کے پیش نظر دیتا ہے۔جیسے کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی اور مسلمانوں کو بھی دی مگر حکومت حاصل کرنا انبیاء علیہم السلام کا منتہائے مقصود نہیں ہے جیسا کہ آپ نے اپنی کتابوں میں بیان کیا۔مودودی صاحب نے بہت کوشش کی مگر میرے نزدیک وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے اور آخر یہ کہہ کر نماز کا وقت ہو گیا ہے مجلس برخواست کر دی۔

ایک بار مودودی صاحب نے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں تفسیر کے ضمن میں یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت مستقل نہیں تھی۔میں نے انہیں خط میں لکھا کہ آخر آپ نے بھی غیر مستقل نبوت تسلیم کر ہی لی۔اس پر انہوں نے لکھا کہ میری مراد مددگار نبی کی تھی چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لکنت سے بات کرتے تھے۔اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حضرت ہارون علیہ السلام کیلئے نبوت بطور مددگار نبی کے مانگ کر حاصل کی۔

بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ایک رسالہ دینیات شائع کر رکھا ہے۔اس رسالہ کے ابتدائی ایڈیشنوں میں آپ نے نبی مبعوث ہونے کی تین وجوہات بیان کی ہیں۔میں

نے مودودی صاحب سے پوچھا تھا کہ ان تینوں وجوہات میں سے حضرت ہارون علیہ السلام پر کوئی وجہ چسپاں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ نے بعد کے ایڈیشنوں میں حاشیہ میں مددگار کی چوتھی وجہ بھی بڑھادی ہے۔ پھر میں نے مودودی صاحب کو یہ بھی لکھا تھا کہ کسی نبی میں لکنت کا نقص ہونے کی وجہ سے مددگار نبی مل سکتا ہے تو جب نبی دنیا سے رخصت ہی ہو چکا ہو اور اس کا کوئی وجود دنیا میں نہ رہے تو اگر اس کی امت بگڑ جائے یہاں تک کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا عالم ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر غیر مستقل، ظلی، بروزی نبی جس کو امتی کہہ سکتے ہیں کیوں نہیں آسکتا۔ اس کا جواب چونکہ مودودی صاحب کے پاس کوئی نہیں تھا اس لئے خط و کتابت ختم ہوگئی۔

اسی طرح بعض دیگر اہل علم حضرات سے بھی خاص کر "ختم نبوت" کے متعلق میں نے خط و کتابت کی ہے۔ یہاں سب کا ذکر ممکن نہیں اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور احسان ہے کہ بطور ایڈیٹر الفضل خدمت دین کا اعزاز حاصل ہوا۔ میرے خیالات سب کے سب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیض سے ہیں۔ آپ کے خلفاء کے فیض سے ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی الفضل میں لکھا ہے وہ دراصل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور ملفوظات کا اپنے بھونڈے الفاظ میں چربہ ہے۔ جہاں تک میں نے احمدیت کی صحیح ترجمانی کی ہے وہ اسی آفتاب عالم تاب کی ادنیٰ کرم فرمائیوں کا کرشمہ ہے اور اگر میں نے صحیح ترجمانی کی ہے تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کے صدقے میں میری مغفرت فرمائے اور اگر مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں اور ضرور ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے ان کی پردہ پوشی فرمائے۔ احباب سے استدعا ہے کہ وہ بھی خاکسار کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ میری عاقبت بخیر کرے۔ آمین۔ ○○

روشن دین تنویر کا ادبی مقام

محترم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب (ایم اے۔پی ایچ ڈی)

صدر شعبہ اردو تعلیم الاسلام کالج۔ربوہ (حال کینیڈا)

اردو ادب کے عبوری دور میں ادبی دنیا اور نیرنگ خیال دو ایسے پرچے تھے جن میں چھپنا کسی شاعر کیلئے باعث استناد سمجھا جاتا تھا۔''ادبی دنیا'' تاجور نجیب آبادی کی ادارت میں اور بعد میں ادیب شہید مولانا صلاح الدین احمد کی ادارت میں مدتوں اردو کی خدمت کرتا رہا۔اس پرچہ کا معیار گویا زبان وادب کا معیار تھا۔اس دور میں اردو نظم نئی جہت سے آشنا ہو رہی تھی۔انجمن پنجاب کی وساطت سے حالیؔ اور آزادؔ نے جس جدید شاعری کی بنیاد رکھی تھی ''ادبی دنیا'' اور ''نیرنگ خیال'' اس پر عمارت اٹھا رہے تھے۔نظم کے سلسلہ میں نئے تجربے ہئیت اور خیال کی جدت کے مظہر تھے۔نظم معرّیٰ نے نظم کے کلاسیکی پیکر کو متزلزل کر دیا تھا لیکن اس دور میں بھی بعض شاعر ایسے تھے جنہوں نے نظم کی کلاسیکی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی خیال کی ندرت اور طرز ادا کی دلربائی کی وجہ سے اپنے فکر وفن کا لوہا منوالیا۔ان میں سے ایک جناب روشن دین تنویر تھے۔

جناب تنویر مدتوں ہمارے درمیان موجود رہے اور ہم ان کی زبان سے ان کا کلام سنتے

رہے لیکن ہم جو نئی نسل کے لوگ تھے ہمیں ان کے ادبی مقام کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ 1954ء میں مولانا صلاح الدین ربوہ تشریف لائے تو پہلا سوال مجھ سے یہ فرمایا کہ جناب روشن دین تنویر کو بلایا ہے؟ اور جب ان دو مرحوم بزرگوں کی ملاقات ہوئی تو مولانا نے ان کے بارہ میں یہ بتایا کہ: ''ادبی دنیا کے ہر پرچہ میں فرمائش کر کے ان سے نظم منگوایا کرتا تھا۔''

کچھ عرصہ کے بعد قیوم نظر آئے، قیوم نظر نے تنویر کے بارہ میں کہا:

''یہ وہ لوگ ہیں جن کا کلام پڑھ پڑھ کر ہم شاعر بن گئے ہیں۔''

ایک مجلس میں جناب تنویر کا کلام سنتے ہوئے کچھ شوریدہ سر لڑکوں نے شور مچایا ابوجعفر طاہر آگ بگولہ ہو کر اٹھے اور لوگوں سے کہا کہ:

''ہم اس شاعر کی زیارت کے لئے آئے ہیں اور آپ ان کا کلام نہیں سنتے۔''

یہ سب باتیں پے درپے ہوئیں لیکن ہم نئی نسل کے لوگ جناب تنویر سے پھر بھی آشنا نہ ہوئے اور اب جب جناب تنویر اس دنیا میں نہیں ہیں تو نئی نسل کے لوگوں کو بہت یاد آ رہے ہیں کیونکہ نئے شعری تجربے اور غزل کی موجودہ تجدیدی، فنی اور فکری بوقلمونیوں کی اساس عبوری دور کے شعری سرائے پر ہی استوار رہے۔ اگر جگرؔ، حسرتؔ، فانیؔ اصغرؔ اور اقبالؔ کو نکال دیں تو اردو غزل کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔ جناب تنویر اس دور کے شاعر تھے۔

یہ ہماری خوش بختی تھی کہ وہ ہمارے زمانہ تک زندہ رہے اور انہوں نے فکری صلاحیتوں اور شعری کمال آفرینیوں کو ایک خاص مقصد کیلئے وقف کر کے یہ بات ثابت کر دی کہ غزل یا نظم محض تخیلاتی پیکروں کے ''تراشیدئی پرستیدن شکستن'' کا نام نہیں، واضح مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے بھی غزل کی نزاکت قائم رکھی جا سکتی ہے۔ اقبال نے غزل میں فلسفہ بیان کیا تھا جناب تنویر نے غزل میں دینیات کا درس دیا۔

جناب تنویر بنیادی طور پر نظم گو تھے۔نظم گو کے ہاں ایک ایک غیر محسوس سی اجتماعیت پسندی کا رجحان نمایاں ہوتا ہے۔نظم لفظوں کو رشتہ فکر میں پڑنے کا نام ہے۔غزل کا ہر شعر از بسکہ اپنی ذات میں مکمل اکائی اور وحدت کا حکم رکھتا ہے۔اس کے تمام شعر ایک اساسی مزاج کے رشتے میں منضبط ہوتے ہیں۔ جناب تنویر نے 1940ء کے بعد اپنی قوت شعرگوئی کو احمدیت کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کر دیا اور اس طرح ایک نظم گو کی مہارت اور غزل گوئی ایمائیت پسندی کا سہارا لیکر پیغام احمدیت کو ہر گوش سخن نیوش تک پہنچانے کی سعی کی۔

مسیح وقت کی آواز ہے سنو تو سہی
نئے جہان کا آغاز ہے سنو تو سہی
اذان اُٹھی ہے پھر مسجد مبارک سے
وہی بلال کا انداز ہے سنو تو سہی

دم مسیح زمان است، نعرہ زن برخیز
بجان تازہ وگراز تن کہن برخیز
مثال برگ خزاں دیدہ تا کجامانی
گل بہار سو، ازسینہ چمن برخیز

بسجدہ سر خمیدہ بزمن است
نماز دل سر عرش بریں است
مخور غم گرتن بے جان داری
مسیحائے زمان، جان آفرین است

جناب تنویر کا کمال یہ تھا کہ احمدیت سے وابستہ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے پرانے رنگ کو یکسر خیر آباد کہہ دیا اور جماعت کے ساتھ ایسا قوی اور زندہ رشتہ قائم کیا کہ پھر ان کے شعر ترجمان احمدیت بن گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مقصدیت کی شدید رو، فنی رشتوں کو منقطع کر دیتی ہے۔ لیکن جناب تنویر نے غزل کی زبان میں نظم کے تسلسل و تواتر کو برقرار رکھتے ہوئے خوبصورت شعر تخلیق کئے اور اس طرح جہاد بالقلم کا حق ادا کر دیا۔ غزل کی صلاحیتیں غزل کا ایجاز اور غزل کی ایمائیت سب چیزیں ذہن میں رکھئے اور احمدیت کے پس منظر میں جناب تنویر کے یہ شعر دیکھئے:

میں کیا کروں گا آب حیات دوام کو
میرا سلام خضر علیہ السلام کو
تفصیل ہم سے پوچھئے پر خدوخال کی
دیکھا ہے ہم نے جلوہ ماہ تمام کو

دنیا میں آج حامل قرآن کون ہے؟
گر ہم نہیں تو اور مسلمان کون ہے؟

جلوؤں کا اٹھا ہے طوفان ترے کوچے میں
کلّ یومٍ ھُوفی شَانٍ ترے کوچے میں
ذکر حق، ذکر نبی، ذکر مسیحائے زماں
بستی ہے مجلس عرفان ترے کوچے میں

فلسفے والوں کے سب فلسفے نکلے باطل
فلسفی بن گئےانسان ترے کوچے میں
یہ امن کا پیغام ہے، پیغام ہے لوگو
اسلام ہے اسلام ہے اسلام ہے لوگو

نگہہ کش تو ہے پھول دل جو نہیں ہے
یہ ہے رنگ ہی رنگ خوش بو نہیں ہے

اذاں کھینچ لیتی ہے جاں کورگوں سے
یہ اعجاز ہے کوئی جادو نہیں ہے

احمدیت نے فکرِنو کو جو کچھ بھی دیا جناب تنویر نے اس کی صحیح ترجمانی کی نثر میں بھی اور نظم میں بھی نثر تو میرا موضوع نہیں۔ نظم میرا موضوع ہے۔ اس لئے میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ جناب تنویر کے شعروں میں جگرؔ کی حلاوت، حسرتؔ کا تغزل، اصغرؔ کی تصوف آفرینی، اقبال کا فلسفہ، فانیؔ کی دردمندی سب چیزیں بتمام وکمال موجود ہیں۔

حسرت کا رنگ

دوستو ! چیت کی پھر چاندنی راتیں آئیں
حسن کے تذکرے اور عشق کی باتیں آئیں
سبزے کے قافلہ در قافلہ نکلے ہیں جلوس
لالہ و گل کی براتوں پر براتیں آئیں

شیخ کے ذہن پہ نازل نہ ہوئے معنیِ عشق
گرچہ تنویر بغاوتوں پہ بغاوتیں آئیں

اصغر کی تصوف پسندی

ہے کیا فلک پہ بھی گر آشیانہ بندی ہے
ہر اک بلندی کے اوپر نئی بلندی ہے
خدا سے پیار، عداوت خدا کے بندوں سے
خدا پرستی نہیں ہے یہ خود پسندی ہے
لبریز ہوگیا ہے شراب ازل کاخم
اٹھی ہے پھر صدائے الست بربکم

فانی کا درد

یہ کس نے اس بلا کا زندگانی نام رکھا ہے
فقط دُور جاوداں ہے اور فانی نام و وفا ہے
جو آنکھیں بند رکھتا، دیکھ سکتا تو بھی اے موسیٰ
وہ جلوے تو نے جن کا لن ترانی نام رکھا ہے
فضا میں بجلیاں تڑپی تھیں اتنا یاد ہے مجھ کو
بس اتنی یاد کا میں نے جوانی نام رکھا تھا

ساری دنیا چھوڑ آئے ہیں
جتنے بندھن تھے توڑ آئے ہیں
آنسوؤں میں کہاں لہو کی رمق
قطرہ قطرہ نچوڑ آئے ہیں

جگر کا تغزل

چشم ساقی میں مستیاں ہی تو ہیں
مفت کی مے پرستیاں ہی تو ہیں
عشق دیوانہ و گریبان چاک
حسن کی چیرہ دستیاں ہی تو ہیں
فقط دور سے آنکھ دو چار کرنا
مسافر کو یونہی گنہگار کرنا
عجب دل کی آنکھوں نے کی ترجمانی
نچوڑیں لہو تو ٹپکتا ہے پانی
بنادی ہے سُننے سُنانے کے قابل
تری بے وفائی نے میری کہانی
نقاب رخ سے نہ جب تک اٹھایا جائے گا
نہ منتہائے محبت کو پایا جائے گا
اگر بہشت ہی جائے گا تو بھی اے واعظ
تو سچ تو یہ ہے کہ ہم سے نہ جایا جائے گا

اور اقبال کا فلسفیانہ لہجہ

مت زندگی کو عقل کے زنداں میں بند کر
کوئی تو کام عقل کا اے عقل مند کر
پھولوں نے رنگ و بو سے سجایا ہے کنج کنج
بلبل کوئی نوائے محبت بلند کر
تنویر عرش تک ہے رسائی کی گرہوس
تو رشتہ فگان سحر کو کمند کر

ان تصریحات سے یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ جناب تنویر کا اپنا کوئی رنگ نہ تھا ان کا اپنا رنگ ان سب سے نرالا تھا۔ وہ اسلوب کو عبوری دور کے تمام شعراء کی خوبیوں کو جمع کر کے احمدیت کا خمیر اس میں ڈال دیں تو جو اسلوب شعر پیدا ہوگا وہ تنویر کا اسلوب تھا خود ان کی زبانی ان کے اسلوب کی تعریف یہ تھی کہ میں نے ہر شخص سے کسب فیض کیا اور احمدیت کی جھولی میں ڈال دیا، ایک واقعہ عرض کر کے بات ختم کرتا ہوں۔

1955ء میں بے پناہ سیلاب آیا۔ ربوہ کی سرزمین جزیرہ بن گئی اردگرد کی سیلاب کی تباہ کاریوں نے قیامت ڈھادی لیکن ربوہ کی سرزمین محفوظ و مامون رہی۔ اسی نظارہ کو جناب تنویر نے دو شعروں میں بیان کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ شعر ان کے اسلوب شعر کا نمونہ ہے۔

سیلاب جھوم جھوم کے آگے گزر گیا
ساحل پر گھو م گھوم کر آگے گزر گیا

پانی بصد قیام و رکوع و سجود و قعد
ربوہ کے پاؤں چوم کے آگے گزر گیا

میں نئی نسل کا آدمی ہوں۔ جناب تنویر پرانی نسل کے شاعر تھے لیکن جناب تنویر سے عمروں کے بے پناہ تفاوت کے باوجود میری گہری دوستی تھی۔ شاید یہ چند سطریں اس دوستی کے پس منظر کو اُجاگر کر سکیں۔

نامور ادیب، شاعر احمدیت
اور ایڈیٹر الفضل
محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب مرحوم

(از: محترم فخر الحق شمس صاحب)

نامور ادیب، باکمال شاعر، بلند پایہ صحافی، اپنے زمانے میں خوش بختی کی ایک مثال، ایک مخلص احمدی، عالم باعمل اور ایڈیٹر روزنامہ الفضل محترم شیخ روشن دین تنویر صاحب 20/اپریل 1892ء کو بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے محلہ سے حاصل کر کے سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ سے میٹرک کیا اور پھر مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے اساتذہ میں شمس العلماء مولوی سید میر حسن صاحب بھی شامل تھے (جن سے علامہ ڈاکٹر اقبال بھی پڑھتے رہے) لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی جس کے بعد آپ نے وکالت شروع کی جو 1946ء تک جاری رہی۔ آپ کو شروع سے ہی شعر و شاعری سے خاص تعلق رہا۔ آپ بہت بلند علمی ادبی ذوق رکھتے تھے، آپ نے متعدد مضامین لکھے اور آپ کی کئی بہت اعلیٰ پائے کی نظمیں ملک کے مشہور رسائل میں شائع ہوئیں اور بہت پسند کی گئیں۔

1939ء کے جلسہ سالانہ پر جبکہ خلافت ثانیہ کی 25 سالہ جوبلی بھی منائی گئی تھی، آپ کو قادیان تشریف لے جانے اور جلسہ میں شامل ہونے کا موقع ملا جس سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ واپسی پر آپ کو حضرت مصلح موعود کا مشہور لیکچر انقلاب حقیقی مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ جس کے نتیجہ میں بالآخر 1940ء میں آپ احمدی ہو گئے۔ آپ نے فروری 1940ء میں عید الاضحیہ کے دن بیعت کی۔ آپ کا احمدیت قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا خاص نشان تھا۔ آپ ادیب اور شاعر تھے پڑھے لکھے طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ علماء وقت سے بھی بات چیت رہتی تھی اور احمدیت کی مخالفت میں ان کے ساتھ مل کر پیش پیش تھے۔ لیکن چونکہ حقیقت کی تلاش میں رہتے تھے اور مخالفت برائے مخالفت کے قائل نہ تھے اس لئے تحقیق کی غرض سے قادیان گئے اور جلسہ سالانہ میں شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی جس کے نتیجہ میں ان کی زندگی میں عظیم روحانی انقلاب برپا ہوا۔ پھر تو آپ سیالکوٹ میں بیٹھ کر قادیان کے لئے تڑپنے لگے اور الفراق جیسی نظمیں لکھیں۔

میں ترستا ہوں قادیاں کے لئے
جیسے مرغ اپنے آشیاں کے لئے
یہ زمیں جس کا ذرہ ذرہ ہے
چشمہ زندگی جہاں کے لئے
اے مسیحائے وقت ایک نظر
اپنے تنویر نیم جان کے لئے

قبول احمدیت کے بعد آپ کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا۔ آپ کا شعروسخن کا فطرتی ذوق خالصتاً احمدیت کے رنگ میں رنگین ہو گیا۔ آپ نے متعدد بلند پایہ مضامین

احمدیت کی تائید میں لکھے جو کہ سلسلہ کے رسائل و جرائد میں شائع ہو کر مقبولِ عام ہوئے۔

حضرت مصلح موعود کی جوہر شناس نظر نے آپ کو جماعت احمدیہ کے آرگن روزنامہ الفضل کی ادارت کے لئے چن لیا۔ آپ اکتوبر 1946ء میں سیالکوٹ سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے اور بطور ایڈیٹر الفضل خدمات کا آغاز کیا۔ اس اہم اور نازک ذمہ داری کو آپ نے اپریل 1971ء تک (25 برس) متواتر بڑے احسن طریق سے ادا کیا۔ اس دوران بہت مشکل اور نازک وقت جماعت پر آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر موقع پر کامیابی کے ساتھ خلیفہ وقت کی ہدایات کے مطابق جماعت کی ترجمانی کی توفیق بخشی۔ آپ کی قلم سے متعدد قیمتی اور اہم موضوعات پر اداریے اور مضامین اور اشعار نکلے جنہوں نے چھپنے کے بعد مقبولِ عام کی سند حاصل کی۔ ادارہ الفضل آپ کی سربراہی میں ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ ہر قدم اور ہر موڑ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد اور نصرت فرمائی۔ دعوت الی اللہ اور جماعت احمدیہ کے عظیم الشان مقاصد آپ کی ادارت میں سرہوئے۔

آپ نے کبھی بھی اپنی ذاتی مصروفیات یا بیماری کو اپنے دفتری فرائض پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ بہت پابندی سے دفتر جاتے اور اپنے سب فرائض کو احسن رنگ میں انجام دیتے۔ بعض اوقات ساری رات بہت تکلیف میں جاگتے ہوئے گزرتی لیکن صبح دفتر جانے کے لئے تیار ہوتے۔ الفضل سے کچھ ایسی محبت تھی کہ ذرا سی جدائی بھی برداشت نہ کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ میری تو یہ تمنا ہے کہ اس وقت جان نکلے جب میں الفضل کا ایڈیٹوریل لکھ رہا ہوں۔ کام میں کچھ ایسی محویت ہوتی کہ کوئی شور یا کسی کا آنا جانا بھی اس محویت میں مخل نہ ہو سکتا تھا۔

محترم مسعود احمد خان دہلوی صاحب سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل اپنے ایک مضمون (شائع شدہ الفضل 22 فروری 1972ء) میں اپنے استاد محترم روشن دین تنویر صاحب سے

پہلی ملاقات اور لکھنے میں محویت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''ایک بات جس کا میری طبیعت پر بہت اثر ہے یہ ہے کہ محترم تنویر صاحب جب مضمون لکھتے تھے تو ان پر کامل محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا، اس وقت انہیں دنیا و مافیہا اور ارد گرد کی کچھ خبر نہ ہوتی تھی وہ زیرِ غور موضوع میں ایک دفعہ ڈوب کر پھر ابھرتے تھے اور جب ابھرتے تھے تو صفحہ قرطاس پر لکھے ہوئے مضمون کی شکل میں آبدار موتیوں کا ایک خوشنما گچھا ہاتھ میں ہوتا تھا۔ محترم تنویر صاحب سے پہلی ہی ملاقات میں جب آپ کے اس استغراق کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تو میں ورطۂ حیرت میں پڑے بغیر نہ رہا۔ الفضل کے نئے ایڈیٹر صاحب سے ملنے کی غرض سے میں لاہور سے قادیان آیا۔ جب میں اجازت لے کر محترم تنویر صاحب کے کمرہ میں داخل ہوا تو آپ اداریہ لکھنے میں مصروف ہی نہیں بلکہ محو تھے۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کر کے آپ پھر اداریہ لکھنے میں مستغرق ہو گئے۔ عجب پُر لطف منظر تھا آپ لکھتے لکھتے کاغذ سے نظر اٹھاتے اور سامنے دیوار کو اس حال میں گھورنے لگتے کہ منہ کھلا ہوا ہوتا اور چہرہ پر گہری سوچ اور فکر کے آثار نمایاں ہوتے۔ چند لمحے اسی طرح دیوار کو گھورنے کے بعد میز پر سر جھکا کر پھر لکھنا شروع کر دیتے۔ بار بار دیوار کو گھورنے اور وقفہ وقفہ سے سر جھکا کر لکھتے چلے جانے کا منظر میں بیٹھا خاصی دیر تک دیکھتا رہا۔ اس اثناء میں تنویر صاحب بھول چکے تھے کہ کوئی ملاقاتی پاس ہی بیٹھا ہے۔ میں نے محویت اور استغراق کا یہ عالم دیکھ کر بے وقت آنے کی معذرت اور واپس جانے کی اجازت چاہی۔ میری آواز سن کر آپ یکدم چونک پڑے اور فرمایا ذرا ٹھہریں مَیں ابھی فارغ ہو کر آپ سے بات کرتا ہوں۔ یہ کہنے کے بعد آپ کی نگاہیں پھر سامنے کی

دیوار پر مرتکز ہوگئیں اور پھر آپ کہیں کے کہیں جا پہنچے اور میں کرسی پر جام ہو کر رہ گیا۔ میں نے معذرت کے انداز میں جانے کی کئی بار اجازت طلب کرتے ہوئے آپ کو چونکایا۔لیکن ہر بار یہی جواب پایا کہ ذرا ٹھہریں۔آخر میں نے یہی اندازہ لگا کر کہ اگر میں بلا اجازت یہاں سے نکل جاؤں تو انہیں میرے جانے کا احساس تک نہ ہوگا مَیں خاموشی سے اٹھ کر چلا آیا۔میں دوسرے دن ایسے وقت حاضر خدمت ہوا کہ آپ ایڈیٹوریل لکھنے کے بعد فارغ بیٹھے تھے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا مجھے تو آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا کیونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ ایک اسسٹنٹ ایڈیٹر آجکل پنجاب یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔ پھر دریافت کیا لاہور سے کب آئے؟ مَیں نے عرض کیا کل کا آیا ہوا ہوں، کہنے لگے تمہیں تو قادیان آتے ہی دفتر آنا چاہئے تھا۔ میں نے بتایا میں تو کل ہی حاضر ہوا تھا لیکن آپ اداریہ لکھنے میں مصروف تھے۔فرمایا کوئی صاحب آئے تو تھے لیکن نہ معلوم آپ ہی تھے یا کوئی اور۔ میں نے عرض کیا آیا تو میں ہی تھا لیکن آپ موجود ہونے کے باوجود غائب تھے اس لئے میں بھی غائب ہوگیا۔آج آپ موجود ہی نہیں بلکہ حاضر بھی ہیں اس لئے میں نے بھی حاضر خدمت ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔میری اس بات پر بہت محظوظ ہوئے۔ بہت شفقت اور از راہ ذرّہ نوازی احترام سے پیش آئے۔ اس کے بعد شفقت کا یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ بے حد سادہ طبیعت تھی۔آپ کی بیٹی محترمہ فرحت واکر صاحبہ (لندن) اپنے ایک مضمون شائع شدہ الفضل لندن 1994ء میں لکھتی ہیں:

'' آپ اپنے کام خود کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ بہت کم کسی اور کو تکلیف دیتے۔ کھانا، پینا، لباس، رہائش نہایت سادہ تھی۔ اگرچہ بہت اچھے ذوق کے مالک تھے لیکن جو بھی میسر آیا اس پر قانع رہے۔ بے حد خوش اور مطمئن رہتے تھے۔ کبھی کسی چیز کا لالچ نہیں کیا۔ اپنی معمولی تنخواہ کو اپنی ضروریات کے لئے کافی سمجھتے۔ اگر کبھی کسی ذریعہ سے خدا تعالیٰ کوئی رقم عطا فرماتا تو فوراً چندہ میں دے دیتے اور کبھی بھی گھریلو ضروریات کے لئے خرچ نہ کرتے۔ اپنی ضروریات کو نہایت محدود رکھا۔ فضول خرچی کو پسند نہ کرتے۔ اپنا زیادہ تر وقت مطالعہ میں صرف کرتے، خرابی صحت کی وجہ سے زیادہ باہر نہ جاتے لیکن اگر کوئی ملنے کے لئے آتا تو بے حد خوشی کا اظہار کرتے، بہت محبت سے ملتے۔ خوب مہمان نوازی کرتے اور دوبارہ آنے کی تاکید کرتے۔''

آپ کی بیٹی مزید لکھتی ہیں:

''فارغ وقت میں باغبانی میں مصروف رہتے۔ بہت محنت کرتے۔ میں اس وقت بھی چشمِ تصور سے (یہ مضمون روشن دین صاحب کی وفات کے 22 سال بعد لکھا گیا ہے) اپنے گھر کے آنگن میں پھول اور پھلوں کے پودوں کے ساتھ ساتھ مکئی اور دھان کی فصلیں بھی لہلہاتی ہوئی دیکھ سکتی ہوں۔ ابّا کو کھانا بنانے کا بھی بہت شوق تھا۔ اگرچہ موقع کم ہی ملتا تھا لیکن جب کبھی مل جاتا تو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ بہت اچھا کھانا بناتے تھے۔ ابّا کو خلافت سے غیر معمولی عشق اور محبت تھی۔ زندگی کے آخری لمحوں تک اس جذبہ سے سرشار رہے۔ خلیفہ وقت کی محبت اور دعاؤں کو اپنا سرمایہ حیات سمجھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے کوئی تحفہ ملتا یا خوشنودی کا

خط آتا تو چہرہ خوشی سے تمتما اٹھتا۔ کئی کئی دن اس خوشی میں سرشار رہتے۔ میں نے کبھی بھی انہیں اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا ایسے موقعوں پر۔ بار بار ہمیں بھی بتایا کرتے کہ دیکھو کتنے خوش نصیب ہیں ہم کہ خلیفہ وقت کی محبت اور دعائیں ملی ہیں۔ انہوں نے ہمیں یاد کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر انتہائی توکل تھا۔ کبھی انہیں مایوس نہیں دیکھا ہمیشہ ہر حال میں خوش رہتے اور بے چینی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرتے تھے۔ دعاؤں پر بہت یقین تھا۔ ایک دفعہ اپنے سارے کلام کو اکٹھا کر کے کہیں رکھ دیا اور بھول گئے۔ جب ضرورت پڑی تو ڈھونڈنے لگے لیکن تلاش بسیار کے باوجود کاغذات نہیں ملے۔ نماز میں نہایت درد دل سے دعا کی۔ نماز ختم کرنے کے بعد سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں سب کاغذات اکٹھے رکھے ہوئے تھے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ میرا بھائی شدید بیمار ہو گیا۔ بچنے کی امید نہیں تھی۔ سخت پریشانی کا عالم تھا۔ ابّا نے علیحدہ جا کر نہایت گریہ وزاری سے دعائیں کرنی شروع کیں اور اس وقت تک جاری رکھیں جب تک کہ بھائی کی طبیعت سنبھل نہیں گئی۔ اکثر سچے خواب دیکھتے، ان کی نوٹ بک میں کئی اشعار پر لکھا ہوا ہے الہامی شعر۔ ایک الہامی شعر مندرجہ ذیل ہے۔

چپکے سے موت آئے ہرگز نہ کوئی جانے
آخر بلا لیا ہے مجھ کو مرے خدا نے

ابّا کو اپنی زندگی میں بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن نہایت ہمت سے ان کا مقابلہ کیا، کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ کبھی اپنے دکھ اور کرب کا اظہار نہیں کیا۔ بعض دفعہ دل بہت بے چین ہوتا لیکن اپنی کیفیات پر کچھ اس انداز سے قابو پا لیتے کہ کوئی دل کا

حال نہ جان سکتا۔ راتیں اکثر جاگ کر اضطراب اور دعا میں گزارتے مگر صبح کو سب بے چینی اور بیقراری دل کی گہرائیوں میں چھپا کر ایسے پُرسکون ہو جاتے جیسے کسی طوفان سے آشنا ہی نہ ہوں۔

الفضل سے رخصت ملنے کے بعد ان بے چینیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ دفتر سے اگر کوئی ملنے آ جاتا تو جیسے زندگی کی لہر دوڑ جاتی۔

آپ نے ایڈیٹر الفضل مقرر ہونے سے قبل کبھی کسی اخبار میں کام نہ کیا تھا البتہ آپ کی قلم سے بعض معرکہ آراء مضامین ضرور نکلے تھے۔ وہ مضامین ہی الفضل میں آپ کی تقرری کا موجب بنے۔''

محترم مسعود احمد خان دہلوی صاحب میں لکھتے ہیں:

''آپ کے الفضل میں تقرر سے چند ماہ قبل میں ایک زیر تربیت اسسٹنٹ کی حیثیت سے ادارہ الفضل کے ساتھ منسلک ہو چکا تھا۔ اس طرح مجھے آپ کے زیر تربیت مسلسل پچیس سال تک کام کرنے کی توفیق ملی۔ آپ کی ادب نواز رفاقت کے دوران مجھے تنویر صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ جماعت احمدیہ میں شمولیت کے بعد ہزاروں کی تعداد میں ادارتی مقالے لکھ کر اور انتہائی اعلیٰ پایہ کی دینی نظمیں کہہ کہہ کر آپ نے جو گراں بہا قلمی خدمت سرانجام دی وہ جماعت احمدیہ کے مفید لٹریچر میں گرانقدر اضافہ ہے۔ آپ کے رشحاتِ قلم اور منظوم افکار مسلسل پچیس سال تک الفضل کے ذریعہ احباب جماعت کے مطالعہ میں آتے رہے اور وہ ان سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ جماعت میں شمولیت سے قبل انہوں نے دنیائے شعر و ادب میں جو مقام حاصل کیا تھا اس سے

اکثر احباب کو شاید آگاہی نہ ہو اس لئے میں اس سے متعلق بعض باتیں ذیل میں لکھتا ہوں۔ ان میں سے اکثر میں نے تنویر صاحب سے اور بعض غیراز جماعت ادیبوں سے سنیں۔ محترم تنویر صاحب نے بہت چھوٹی عمر میں شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ شعر گوئی کا ملکہ قدرت کا ایک عطیہ ہے اور قدرت جسے چاہتی ہے اسے یہ ملکہ عطا کرتی ہے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم۔ یہ امر شک وشبہ سے بالا ہے کہ قدرت نے جناب تنویر کو اس کے وافر حصہ سے نوازا تھا۔ عمر میں پختگی کے ساتھ ساتھ آپ کی شاعری میں بھی پختگی آتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس دور کے معروف ادبی رسائل میں آپ کی نظمیں شائع ہونے لگیں اور وہ وقت بھی بہت جلد آ گیا کہ آپ کا شمار ملک کے بلند پایہ شاعروں میں ہونے لگا 1921ء سے 1940ء تک کے زمانہ میں آپ کا کلام ادبی رسائل بالخصوص ہمایوں، نگار، ادبی دنیا اور نیرنگ خیال میں بکثرت شائع ہوتا رہا اور اسے قبول عام کی سند حاصل ہوئی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپ آسمان شعروادب پر ایک درخشندہ ستارہ بن کر ابھرے اور شاعروں ادیبوں اور ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

شعر گوئی میں آپ کی قدرومنزلت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس دور کے نامور شاعر جناب میرا جی نے ہم عصر شاعروں کی بلند پایہ نظموں کے انتخاب پر مشتمل ایک مجموعہ ''اس نظم میں'' کے نام سے کتابی شکل میں مرتب کیا اور اس میں ہر نظم کا تنقیدی تجزیہ کر کے شاعر کی فکری پرواز کی بلندی اور حقائق آفرینی کو اجاگر کیا تو اس میں تنویر صاحب کی دو نظموں بعنوان ''چاندنی رات'' اور ''بحضور کائنات'' کو بھی جگہ دی اور ان کے تنقیدی تجزیہ میں تنویر صاحب کی شعر گوئی کی صلاحیتوں کو

بہت شاندار طریق پر خراج تحسین پیش کیا۔ اسی طرح علامہ تاجور نجیب آبادی نے ''تصویر جذبات'' کے نام سے اردو مرکز لائبریری کے ایک خاص سلسلۂ کتب کی ترتیب واشاعت کا اہتمام فرمایا تو تنویر صاحب کی ایک بلند پایہ نظم اس کی بھی زینت بنی۔ الغرض قبول احمدیت کے بعد آپ کی زندگی میں ایک انقلاب انگیز موڑ آیا جس نے آپ کے دل کی کایا پلٹ کرر کھ دی اور آپ نفس مطمئنہ کی لازوال دولت سے مالا مال نظر آنے لگے۔ آپ کے سنہرے دور کے الفضل کی فائلز اور جلدیں اس امر کی گواہ ہیں کہ آپ نے جذبہ دینی سے سرشار ہو کر ایسی ایسی مسحور کن نظمیں کہیں جو آپ کی اس نئی کیفیت کی آئینہ دار تھیں۔ آپ کی ان نظموں نے نہ صرف آپ کی زندگی میں دین کا درد رکھنے والے دلوں کو گرمایا بلکہ یہ آنے والی نسلوں کو بھی گرماتی اور ان کے دینی ذوق وشوق کو فزوں سے فزوں تر کرتی رہینگی۔''

(الفضل 20 فروری 1972ء)

محترم مسعود احمد خان دہلوی صاحب تنویر صاحب کی کتب کے مطالعہ میں دلچسپی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''قیام پاکستان کے بعد ایک دفعہ میں نے آپ سے ذکر کیا کہ اگر چہ آپ کو پہلے کسی اخبار میں کام کرنے کا موقع نہیں ملا پھر بھی آپ میں ایک اعلیٰ صحافی کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں صحافت کا ملکہ بھی آپ کو شاعری کی طرح قدرت کی طرف سے ہی ودیعت ہوا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر ملکہ قدرت کا ہی عطیہ ہوتا ہے لیکن اس ملکہ کو بروئے کار لانے کے لئے انسان کو کافی ریاضت کرنا پڑتی ہے۔ میں نے مضمون نویسی کے لئے عمداً تو کوئی ریاضت نہیں کی

لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ مجھے مطالعہ کے شوق کو پورا کرنے کے لئے ایک بہت اعلیٰ درجہ کی لائبریری سے استفادہ کرنے کی غیر معمولی سہولت میسر آ گئی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ پنجاب کے مشہور ماہر تعلیم جناب سراج الدین آذر میرے برادر نسبتی تھے وہ بہت قلم دوست واقع ہوئے تھے انہوں نے زر کثیر خرچ کر کے نادر کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہوا تھا ان کی ذاتی لائبریری بہت ہی قیمتی اور نادر کتابوں پر مشتمل تھی اور اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد میں نے اس لائبریری کی اکثر کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اس وقت کا مطالعہ اب مضامین لکھنے میں بہت کام آ رہا ہے۔ آپ نے مجھے بھی نصیحت کی کہ مجھے مطالعہ وسیع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور نہ صرف ہر مذہب کی بلکہ ہر مضمون کی کتابیں پڑھنی چاہئیں آپ نے انگریزی اور اردو ادب کی کتابیں پڑھنے پر خاص زور دیا۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر آپ ہی کی راہنمائی میں میں نے متعدد کتب پڑھیں۔ آپ اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ مطالعہ سے ذہنی افق میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مسائل پر غور کرنے اور نئے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت ترقی کرتی ہے جب تک ذہنی افق میں وسعت پیدا نہ ہو اور غور و فکر کی عادت کو ترقی نہ دی جائے اس وقت تک انسان ٹھوس اور پُرمغز مضامین لکھنے کے قابل نہیں ہوتا، یوں قلم گھسنے کو تو ہر شخص گھس لیتا ہے۔ آپ کی یہ نصیحت میرے بہت کام آئی اور اس کی وجہ سے مضامین لکھنے کی مشق جاری رکھنے میں بہت مدد ملی۔

محترم تنویر صاحب نے اپنے انقلابی دور ادارت میں اپنے زور قلم، وسیع علم اور مطالعہ نیز تجربہ کی بدولت جماعت احمدیہ کی جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ

احمدیت میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔آپ کے مسحور کن اداریے، احمدیت کے عشق میں ڈوبے ہوئے حسین و جمیل منظوم افکار آپ کی یاد کو کبھی محو نہ ہونے دیں گے۔ آنے والی نسلیں اور مؤرخین جب آپ کے ان اچھوتے مضامین اور پاکیزہ نظموں سے مستفیض ہوں گے تو وہ بھی آپ کی خوش بختی پر محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔'' (الفضل 22 فروری 1972ء)

محترم مسعود دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''دفتر الفضل کے کارکنان ایک لمبا عرصہ تک آپ کے اوصاف کریمانہ سے براہ راست مستفیض ہوتے رہے۔محترم تنویر صاحب کا الفضل کے عملہ کے ساتھ سلوک اپنی مثال آپ تھا۔آپ بحیثیت ایڈیٹر دفتر میں ایک بااختیار افسر تھے لیکن افسری اور ماتحتی کا تصور آپ کے ذہن میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ 1955ء کے اوائل میں ربوہ آنے کے بعد سیالکوٹ کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے پاس آنے جانے کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا تھا۔آپ کارکنان الفضل کو ہی اپنا خاندان تصور کرتے تھے۔دفتر کے ماحول سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ اس سے جدا ہونا آپ کو گوارا ہی نہ تھا۔دفتر الفضل ہی آپ کا خاندان تھا اور آپ اس کے سربراہ تھے۔آپ نے اپنے آپ کو افسر کبھی سمجھا ہی نہیں۔اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد کبھی کاتبوں کے پاس جا بیٹھتے اور کبھی دفتر میں مینیجر کے کلرکوں کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرتے۔کسی کارکن کو نقصان پہنچانا آپ کی فطرت کے خلاف تھا۔آپ اسسٹنٹ ایڈیٹرز کے ساتھ ہمیشہ بہت حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔ چنانچہ خاکسار (مسعود دہلوی) اور برادرم شیخ خورشید احمد صاحب کے ساتھ ہمیشہ بہت مشفقانہ سلوک

روا رکھا اور ہمیشہ پورا اعتماد کیا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ مسعود اور خورشید میرے دو بازو ہیں۔ کبھی کسر نفسی کے طور پر یہ بھی کہہ دیتے اصل ایڈیٹر تو یہ دونوں ہیں مَیں تو نشان کا ہاتھی ہوں۔'' (الفضل 24 فروری 1972ء)

محترم مسعود دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس بات کا میں خود عینی شاہد ہوں کہ جب تقریباً سترہ سال قبل (1955ء میں) لاہور کی ایک ادبی محفل میں ایک بزرگ ادیب نے ایک بہت معروف نوجوان شاعر کا تعارف جناب تنویر سے کرانا چاہا تو اس نوجوان شاعر نے بڑے نیازمندانہ انداز میں آپ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا میں تو حضرت تنویر کا شاگرد ہوں، برسوں پہلے نیرنگ خیال میں آپ ہی کی نظم پڑھ پڑھ کر تو شعر گوئی کی طرف میلان ہوا اور پھر رفتہ رفتہ لگا شعر کہنے اور بالآخر شاعر کہلایا۔ الغرض جماعت احمدیہ میں شمولیت سے قبل 18,19 سال تک دنیائے شعر و ادب میں جناب تنویر کا نام گونجتا رہا۔ قدرت اس تمام عرصہ میں شعری اور ادبی صلاحیتوں کو ابھارتی اور اجاگر کرتی رہی۔ اس لئے نہیں کہ آپ محض کہنہ مشق ادیب اور مشاق شاعر کی حیثیت سے جانے پہچانے جائیں بلکہ اس لئے کہ آپ کی یہ صلاحیتیں اچھی طرح جلا پانے کے بعد اشاعت حق کا ایک مؤثر ذریعہ بنیں اور آپ اپنی پُرجوش دینی نظموں کے باعث شاعر احمدیت کہلائے اور یہ امتیاز آپ کے لئے وجہِ افتخار بن گیا۔

اللہ تعالیٰ نے محترم تنویر صاحب کو بعض دل موہ لینے والے خصائل سے نوازا تھا۔ آپ تکلفات سے یکسر مبراء اور نہایت سادہ زندگی بسر کرنے والے درویش منش انسان تھے۔ پوشش اور رہائش میں رکھ رکھاؤ اور اہتمام و امتیاز کے سرے سے قائل

نہ تھے۔ضروریات زندگی میں سے جو کچھ بلاتر دد میسر آ جاتا اسی پر قناعت کر لیتے۔ گھر میں دودھ موجود نہ ہونے کی صورت میں محض قہوہ پی لیتے تھے۔میسر ہونے کی صورت میں گوشت اور مچھلی شوق سے کھاتے تھے۔اکثر اوقات یہ دونوں چیزیں خود ہی پکانے کو ترجیح دیتے تھے۔اگر کسی وقت ہاتھ تنگ ہوتا تو سادہ روٹی بھی شیر مال سے کم نہ تھی۔اگر جیب گرم ہوتی تو گوشت بھوننے اور مچھلی تلنے میں سرگرم نظر آتے اور خوب مزے لے لے کر کھاتے۔

آپ کی ایک بہت بڑی خوبی مصائب اور تکالیف کو کسی قسم کا شکوہ زبان پر لائے بغیر صبر سے برداشت کرنا تھی۔آپ کو شروع ہی سے بعض صدمات اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا لیکن آپ نے انہیں برداشت کرنے میں صبر اور ہمت و استقامت کا بہت عمدہ نمونہ دکھایا اور اپنی تکلیف کا دوستوں کے ساتھ بھی اظہار نہیں کیا۔''

(الفضل 20 فروری 1972ء)

مسلسل 25 سال تک قادیان، لاہور اور ربوہ میں الفضل کی ادارت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دینے کے بعد آپ مئی 1971ء کے اوائل میں خرابیٔ صحت کی بنا پر ریٹائر ہوئے۔اس میں ایک سال کا وہ عرصہ بھی شامل ہے کہ جب آپ نے 1953ء میں الفضل کی جبری بندش کے دوران کراچی میں روزنامہ المصلح کے ایڈیٹر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔کچھ عرصہ بعد آپ علیل ہو گئے اور اسی علالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔الفضل کے افق پر ربع صدی تک جگمگانے والا یہ ستارہ مورخہ 27 جنوری 1972ء کو ڈوب گیا۔

سب کو خدا کی طرف بلاتے ہوئے چلو

پھر لا الٰہ کا شور مچاتے ہوئے چلو
قرآنِ پاک سب کو سناتے ہوئے چلو

سب کو رسولِ پاک محمدؐ کا دو سلام
سب کو خدا کی طرف بلاتے ہوئے چلو

وافر ہیں پھول اسوۂ حسنہٗ کے باغ کے
بھر بھر کے دامن اپنے لٹاتے ہوئے چلو

اسلام کا ہے پیام تو پیامِ سلامتی
مامن سلامتی کے بناتے ہوئے چلو

ہم کو کرن ملی ہے سراجِ منیر کی
تاریکیوں کے سائے مٹاتے ہوئے چلو

چھائے ہوئے دلوں پہ اندھیرے ہیں یاس کے
بجھتے ہوئے چراغ جلاتے ہوئے چلو

ہم کو عطا ہوئی ہے نئی زندگی کی سانس
مُردوں کو تربتوں سے اٹھاتے ہوئے چلو

وہ راستے میں کانٹے بچھائیں ہزار بار
تم راستے سے کانٹے ہٹاتے ہوئے چلو

یہ زخم لگ رہے ہیں انہیں کی ضمیر پر
تم ان کے زخم جسم پہ کھاتے ہوئے چلو

تنویرؔ جس سے نیند کے ماتے بھی جاگ اٹھیں
نغمہ سحر کا جوش سے گاتے ہوئے چلو

(روزنامہ الفضل مورخہ 4 جولائی 1952ء)

○

خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم

وہ خاتم الانبیاء خدا کا حبیب اور محترم ہمارا
کہ جس کے احساں کے بار سے سر رہے گا تا حشر خم ہمارا

وہ جس نے انساں کے دل میں توڑے صنم توہم پرستیوں کے
وہ جس نے راہِ سلامتی پر کیا ہے محکم قدم ہمارا

وہ جس نے زندہ کیا جہاں میں، تمدّنِ فطرتِ الٰہی
وہ جس نے ہستی کی رفعتوں پر نصب کیا ہے علم ہمارا

وہی ہے خورشید جس کی کرنیں بکھیرتی ہیں ضیائے رحمت
ہو اس کا جلوہ نہ انجمن میں تو کیا وجود و عدم ہمارا

وہی ہے سر چشمہ آج جس سے رواں نبوت کی آبجو ہے
اسی کے دم سے پھر آنے جانے لگا ہے سینوں میں دم ہمارا

اسی کا فرمان ہے کہ قائم ہوئی ہے تنویرؔ یہ جماعت
اسی پہ قربان دل ہمارا، زباں ہماری، قلم ہمارا

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 19 فروری 1942ء)

○

مکہ بھی ہمارا ہے مدینہ بھی ہمارا

یہ دشت! یہ کوہسار! یہ دریا کا کنارہ!
جنگل میں ہے منگل، ہے یہاں کون خود آرا؟

یہ سڑکیں یہ مسجد یہ مکانوں کی قطاریں
الجھا چلا جاتا ہے نظارہ میں نظارہ

ربوہ کے نظاروں میں بھی پھرتے ہیں نظر میں
وہ مسجد اقصیٰ وہ مسیحا کا منارہ

دل قادیاں میں اور ہیں ربوہ میں نگاہیں
وہ دل کا مرے چاند ہے یہ آنکھ کا تارا

اِس دیس میں بیدار ہے اک اللہ کا بندہ
اُس دیس میں ہے خواب میں اک اللہ کا پیارا

بندے جو محمدؐ کے ہیں اللہ کے ہیں بندے
اللہ کے بندوں کا ہے مجھ کو بھی سہارا

کچھ قادیاں اور ربوہ ہی تنویرؔ نہیں ہیں
مکہ بھی ہمارا ہے مدینہ بھی ہمارا

○

قادیان دارالامان

میں احمدی ہوں وطن قادیان ہے میرا
نئی زمین، نیا آسمان ہے میرا

فضائیں جس کی ہیں لرزاں حیاتِ تازہ سے
وہی مسیح کی بستی، جہان ہے میرا

اسی جہان میں حق الیقین ہوتا ہے
اسی جہان میں وہ لامکان ہے میرا

اسی کے نور میں کھلتی ہے آنکھ باطن کی
اسی سپہر پہ زندہ نشان ہے میرا

بنا دیا تھا جسے پیر، دورِ گردُوں نے
پھر اس ہوا میں وہ ایماں جوان ہے میرا

اسی کے نام سے میری زباں میں ہے تاثیر
اسی کے ذکر سے دلکش بیان ہے میرا

خدا ہی ہے کہ جو تنویرؔ کامیاب کرے
میں خام عشق ہوں اور امتحان ہے میرا

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 24 فروری 1940ء)

کششِ قادیان

ارضِ پاکِ قادیاں میں بے قرار آیا ہوں میں
پھر حضورِ شمع میں پروانہ وار آیا ہوں میں

ہر رگِ دل بن گئی تار کشش میرے لئے
اختیار اپنا کہاں، بے اختیار آیا ہوں میں

ہر جراحت گل ہے اور لالہ ہے ہر داغِ جگر
گل چکاں لالہ فشاں مثلِ بہار آیا ہوں میں

اذن دے نشؤں کو میری سرزنش کے واسطے
میکدے میں ساقیا پھر ہوشیار آیا ہوں میں

روح کی تاروں سے اُٹھتا ہے سرودِ جاوداں
قادیاں کی سرزمیں ہے یا ترنم کا جہاں

ایک دم کی موج ہے اضطرابِ زندگی
پل میں آسکتا ہے مُردے پر شبابِ زندگی

ایک قطرے سے بنا دریائے ناپیدا کنار
ایک ذرّے سے اُٹھا ہے آفتاب زندگی

ایک ٹھوکر سے بدل جاتا ہے نیرنگِ جہاں
ایک جنبش پر ہے موقوف انقلابِ زندگی

ایک لمحے میں ہوئی تخلیقِ بوبکرؓ و عمرؓ
ایک لمحے میں بنے ہیں بوترابِ زندگی

ایک سجدے نے صنم خانے کو کعبہ کردیا
لات و عزّیٰ توڑ کر اللہ ہی اللہ کردیا

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 28/مارچ 1940)

○

حقیقی انقلاب

نبض میں بیمار کی پھر اضطراب آ ہی گیا
موج کی آغوشِ لرزاں میں حباب آ ہی گیا

کردیا تھا خشک اگرچہ آتشِ طاغوت نے
آبجوئے زیست میں پھر تازہ آب آ ہی گیا

برقِ خاطف[1] لے گئی جن کی بصارت چھین کر
ان کی آنکھوں میں بھی نورِ آفتاب آ ہی گیا

چشمِ ساقی کا فسوں تو دیکھنا اے میکشو
پھر تڑپ کر دَور میں جامِ شراب آ ہی گیا

---

[1] نشانہ پر لگنے والے آسمانی بجلی

منتظر جس کے رہے علامہؔ اقبال سے
وہ نہ گو سمجھے مگر وہ انقلاب آہی گیا

دیکھتے آتے تھے اے تنویرؔ اہلِ دل جسے
دام میں تعبیر کے آخر وہ خواب آہی گیا

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 17 مارچ 1940ء)

○

بحضور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ

مری طرف بھی ذرا التفات ہو جائے
کہ رشکِ کعبہ مرا، سومنات ہو جائے

مری حیات پہ چھائی ہوئی ہے مرگِ جمود
یہ جس سے رقص میں آئے، وہ بات ہو جائے

نئی زمین نیا آسمان پیدا ہو
کچھ ایسی زیر و زبر کائنات ہو جائے

وہ انقلاب بپا ہو مرے رگ و پے میں
کہ برق پا مری نبضِ حیات ہو جائے

مری نظر سے نظر اس طرح ملا ساقی!
کہ تیری اور میری ایک ذات ہو جائے

بتا دے چال وہ شطرنجِ زیست کی مجھ کو
کہ جس سے بازئ ابلیس مات ہو جائے

یہ شش جہات مرے کام کا نہیں تنویرؔ
بدل بدل کہ نیا شش جہات ہو جائے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 10 اگست 1940ء)

نویدبقاء

پھر سر پہ جو گھنگھور گھٹا چھائی ہے، چھٹنے والی ہے
پھر محبوبہ رُخ سے اپنے گھونگھٹ کو الٹنے والی ہے

پھر اَوس کا قطرہ لہرا کر گرتا ہے غنچے کےلب پر
ہیرے کی کنی پھر برگِ گل کی دھار سے کٹنے والی ہے

پھر بادِ نسیم خراماں ہے پھر پتّی پتّی لرزاں ہے
پھر خوشبو کی سوغات ہر اِک کو باغ میں بٹنے والی ہے

پھر صبح کا تارا چمکا ہے، پھر راگ افق پر چھِڑتا ہے
اب تم بھی آنکھیں کھولو پیارے پَو تو پُھٹنے والی ہے

پھر تاج ضیا کا رکھ کر سَر پر شاہِ سحر ہے آنے کو
پھر رفتہ رفتہ ظلمت ہفت اقلیم کی گھٹنے والی ہے

پھر دل میں تمنائیں ابھریں، پھر شور اٹھا ارمانوں میں
سب رُوپ بدلنے والا ہے، کایا ہی پلٹنے والی ہے

پھر عیش کی حوریں جاگی ہیں، پھر رنج کی روحیں بھاگی ہیں
پھر غم کی پہاڑی رستے سے اسلام کے ہٹنے والی ہے

پھر آ پہنچا ہے مسیحِ زماں، پھر بیماروں نے شفا پائی
صدیوں سے جو مُردے سڑتے تھے پھر ان کو نویدِ بقا آئی

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 30 اپریل 1940ء)

○

روحانی انقلاب

نبی جب آتا ہے اک انقلاب آتا ہے
قیامت اٹھتی ہے روزِ حساب آتا ہے
نئے نئے جو دلوں میں سوال اٹھتے ہیں
خدا کی طرف سے ان کا جواب آتا ہے
ہوا جو سوزِ گنہ سے بھڑکنے لگی ہے
تو اس کے فضل و کرم کا سحاب آتا ہے
عیاں علامتیں ہوتی ہیں پیر سالی کی
تو پھر جہان پہ تازہ شباب آتا ہے
خدا کا بندہ جب اٹھتا ہے کام کرنے کو
جدھر بھی جاتا ہے رخ کامیاب آتا ہے
مسیحِ وقت نفس پھونکتا ہے جب اپنا
ہر ایک سانس میں پھر اضطراب آتا ہے
عجیب نغمے فضاؤں میں گونج جاتے ہیں
جب اس کے ہاتھ میں تارِ رباب آتا ہے
سحر کا وقت بھی کیا جانفروز ہے تنویرؔ
ستارے جاتے ہیں جب آفتاب آتا ہے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 22 اگست 1940ء)

انقلابِ روحانی

گلبانگِ مزامیر جناں آ تو رہی ہے
آوازِ مسیحائے زماں آ تو رہی ہے

بدلا تو ہے بیمار نے صحت کی طرف رخ
کمزور میں کچھ تاب و تواں آ تو رہی ہے

اعجازِ مسیحا جو نہیں ہے تو یہ کیا ہے؟
پھر مردۂ صدسالہ میں جاں آ تو رہی ہے

منہ زور ہے گر اشہبِ تہذیب تو کیا خوف
پھر دین کے ہاتھوں میں عناں آ تو رہی ہے

ہے اللہ اکبر میں وہی شانِ بلالی
پھر مسجدِ نبویؐ سے اذاں آ تو رہی ہے

جس بات سے تنویرؔ بھڑک اٹھتے ہیں شعلے
پھر بات وہی تا بزباں آ تو رہی ہے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 7 جنوری 1942ء)

قادیان لے چلو

آج تو مجھ کو دوستو، قادیان لے چلو
قادیان لے چلو، قادیان لے چلو

آج نہیں ہے اختیار، آج بہت ہوں بے قرار
آج نہ ہمدمو رکو، قادیان لے چلو

قادیان کی ہوا، قادیان کی فضا
کھینچ رہی ہے روح کو، قادیان لے چلو

ہے یہ مسیح کی صدا، سب کو ہے وہ بلا رہا
نغمۂ حق سنو، قادیان لے چلو

میرا حبیب ہے وہاں، میرا طبیب ہے وہاں
جیسے بھی جس طرح بھی ہو قادیان لے چلو

قادیان کا نبی بانٹ رہا ہے زندگی
تازہ بتازہ نو بہ نو، قادیان لے چلو

مُردے بھی جاگ اُٹھے ہیں تنویرؔ کے سوز و ساز سے
ان کو بھی ساتھ عمر ہو، قادیان لے چلو

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 5 ستمبر 1940ء)

○

برکاتِ قادیاں

پُر ہے انفاسِ مسیحا سے فضائے قادیاں
زندگی کی موج ہے، موجِ ہوائے قادیاں

خود بخود لاکھوں کھنچی آتی ہیں ارواحِ سعید
معجزہ گر ہے مگر نغمہ سرائے قادیاں

یہ مسیحا کا منارہ، یہ بہشتی مقبرہ
ان صحیفوں میں لکھا ہے ماجرائے قادیاں

چشمۂ ظلمات پر تو اے خضر نازاں ہے کیا
دیکھ آکر چشمۂ آبِ بقائے قادیاں

ذرّے سورج بن گئے ، قطرے سمندر ہوگئے
ہے عجب نشو و نمائے قادیاں

اب نہیں جائے مفر کوئی زمانے کے لئے
اب نہیں دارالاماں کوئی سوائے قادیاں

اس کے سائے سے لرز جاتا ہے عفریتِ گناہ
جس پہ پڑتی ہے نگاہِ پار سائے قادیاں

دل میں جتنے درد تھے تنویرؔ سارے مٹ گئے
ہے مرا درد آشنا، درد آشنائے قادیاں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 4 جنوری 1941ء)

تمہارے پاس ہے کیا؟

ہمارے پاس مسیحا، تمہارے پاس ہے کیا؟
تمہیں ہراسِ اجل ہے، ہمیں ہراس ہے کیا؟

شعاعِ مہر نہیں ہے اگر خدنگ افگن
تو قافلہ یہ ستاروں کا بدحواس ہے کیا؟

خموں میں بادہ بھی ہے، جام بھی ہیں میکش بھی
پلانے والا نہیں ہے تو دل اُداس ہے کیا؟

گر انتظارِ مسیحا نہیں مریض تجھے!
تو چھائی پھر ترے دیوار و در پہ یاس ہے کیا؟

سخن طرازیاں دشمن تو کرچکا ہے بڑی
مری طرف بھی ذرا، میری التماس ہے کیا؟

مقیم ہوتے ہیں آآکے قافلے تنویرؔ
یہ قادیاں کی فضا، مومنوں کو راس ہے کیا؟

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 14 ستمبر 1940ء)

ضرورتِ نبوت

فرق جب آتا ہے نبضِ زیست کی رفتار میں
جب وبائیں رونما ہوتی ہیں آدم زاد میں
آدمی کو سانپ بن کر آدمی ڈستا ہے جب
بھائی بھائی کی تباہی پر کمر کستا ہے جب
حدِ فطرت سے گزر جاتی ہے جب نوعِ بشر
جیتے جی گویا کہ مر جاتی ہے جب نوعِ بشر
سلب ہو جاتا ہے جب سینوں سے احساسِ حیات
اک کھلونا بن کے رہ جاتی ہے جب یہ کائنات
جب بھٹک کر سیدھی راہ سے چھوٹتے ہیں قافلے
قافلہ سالار ہی جب لوٹتے ہیں قافلے
خوں غریبوں کی رگوں سے چوستے ہیں جب غنی
کرتے ہیں جس دم خضر، اسکندروں کی رہزنی
خشک ہو جاتے ہیں جب چشمے مروّت کے تمام
جب صنم آباد بن جاتا ہے یہ بیت الحرام

جس دم انسانوں میں کچھ انسانیت رہتی نہیں
تن میں جمتا ہے لہو، فطرت کی رَو بہتی نہیں
مول لے سکتی ہے دولت جب حیا، عزت، خرد
اور ہو جاتا ہے جب دریائے غیرت منجمد
حسن بن جاتا ہے جب اک جنس سی بازار کی
چند پیسے جب دوا ہوں عشق کے آزار کی
بنتے ہیں دیر و کلیسا جب گناہوں کا نقاب
ڈال لیتا ہے ریا جب خانقاہوں کا نقاب
جب صداقت کوچ کر جاتی ہے آجاتا ہے کذب
قالب ہستی میں سرتا پا سما جاتا ہے کذب
جب بشر کے سر میں چڑھتا ہے گناہوں کا بخار
کھیلتی ہے جب ہوا و حرص روحوں کا شکار
جب تخیل زندگانی کی اکھڑ جاتی ہے بیخ
آرزو کی بیخ میں شیطاں کی گڑ جاتی ہے بیخ
روحِ انسانی میں جب ابلیس کرتا ہے حلول
شاخ سے مرجھا کے گر جاتا ہے جب نیکی کا پھول
الغرض گلشن میں آجاتی ہے جب فصلِ خزاں
ذرّہ ذرّہ کی زباں پر جب ہو شورِ الاماں

باطنِ فطرت سے اُٹھتی ہے اک آہِ دردناک
جس سے ہو جاتا ہے پردہ محمل لیلیٰ کا چاک
یک بیک آتا ہے رحمت کا سمندر جوش میں
زیست جا پڑتی ہے اس کے بیکراں آغوش میں
ہوتا ہے دنیا پر ارواحِ مقدس کا نزول
بھیجتی ہے شانِ رحمانی محبت سے رسول
ازسرِ نو چھیڑتا ہے پھر وہ سازِ زندگی
اور سکھاتا ہے وہ پھر مُردوں کو رازِ زندگی
پھر دکھاتا ہے وہ گمراہوں کو راہِ مستقیم
سوئے گلشن پھیر دیتا ہے رخِ بادِنسیم
پھر دلوں کو شوق کا شعلہ لگا دیتا ہے وہ
موت کی مدہوش نیندوں سے جگا دیتا ہے وہ
ڈالتا ہے غم کے اندھیروں پر ایسی چاندنی
پھیل جاتی ہے زمانے پر خوشی کی چاندنی

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 16 اکتوبر 1940ء)

○

نبوت

جب نگاہوں سے نہاں ہوتے ہیں نیکی کے اصول
عرش سے ہوتا ہے ارواحِ مقدس کا نزول

ابر کے پردے میں جب آتا ہے خورشیدِ ہدیٰ
بھولنے لگتا ہے جب انسان اپنا مدعا

اپنے اک بندے کو کرتا ہے خدا مامور پھر
ایک ذرّہ ریگ کا بنتا ہے کوہِ طور پھر

دور میں لاتا ہے پھر وہ بادۂ عرفاں کا جام
دوڑتے ہیں اس کی جانب میکشانِ تشنہ کام

سانس سے اس کی پگھل جاتا ہے سنگِ آذری
سرمدی نغموں سے بھر جاتا ہے سازِ سامری

ہوتے ہیں پیدا مسیحا دم جہاں میں بار بار
تا کہ ہو سینوں میں بنیادِ محبت استوار
سلسلہ یہ ختم ہوسکتا نہیں اے بے خبر
آدمی نعمت یہ کھو سکتا نہیں اے بے خبر
گو ثریا پر بھی چڑھ جائے یہ اللہ کا کلام
پھر زمیں پر اس کو لاتا ہے اک احمدؑ کا غلام

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 6 جنوری 1942ء)

○

الفراق

میں ترستا ہوں قادیاں کے لیے
جیسے مرغ اپنے آشیاں کے لیے

سر زمیں جس کا ذرّہ ذرّہ ہے
چشمۂ زندگی جہاں کے لئے

ہے وہاں آج زائروں کا ہجوم
مَیں ہی کمبخت تھا یہاں کے لیے

سب وہ تقریر سن رہے ہیں کہ ہے
جامِ تسنیم تشنگاں کے لیے

خطبۂ جانفزائے ابنِ مسیح
ہے جو فردوسِ گوش، جاں کے لیے

وہ مقدس سرودِ خلد کہ ہے
رشک ہر طائرِ جناں کے لیے

میں ہوں محروم اس سے کیوں یارب؟
میں تڑپتا ہوں جس بیاں کے لیے

عیدِ قربان آئی اور گئی
حیف ہے روحِ خونچکاں کے لیے

میری گردن نہ تھی مگر لائق
دشنۂ لطفِ مہرباں کے لیے

حجِ ظلّی سے بے نصیب رہا
سَر نہ قابل تھا آستاں کے لیے

پوچھ مت رازداں کہ ہے یہ وہ راز
جو نہیں گوشِ راز داں کے لیے

اے مسیحائے وقت، ایک نظر
اپنے تنویرؔ نیم جاں کے لیے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 10 جنوری 1942ء)
(یہ نظم جلسہ سالانہ قادیان میں بوجوہ شامل نہ ہوسکنے پر 28 دسمبر 1941ء کو لکھی گئی)

مولوی محمد علی صاحب سے

تیری ہمت سے بہت اونچا ہے بامِ محمود
غیر ممکن ہے ملے تجھ کو مقامِ محمود

ہے محمدؐ سے بھی، احمدؑ سے بھی نسبت اس کو
کیا ہم آغوش ہے ان ناموں سے نامِ محمود

تشنہ لب جس سے پھرا تُو ہے سکندر کی طرح
تر اسی چشمۂ حیواں سے ہے کامِ محمود

خود مسیحائے زماں لائے ہیں فردوس سے جو
پُر اسی بادۂ کوثر سے ہے جامِ محمود

قادیاں، جس میں ہے پھر نغمۂ تسبیح بلند
ہے اسی خاکِ مقدس میں قیامِ محمود

اس سے ہے سلسلۂ عالیہ کا حسنِ نظام
عقدِ اخلاص ہے ہر حلقۂ دامِ محمود

فرقتِ قادیاں تنویرؔ کو تڑپاتی ہے
دُور محمود سے ہے، ایک غلامِ محمود

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 11 جنوری 1942ء)

○

سماع آسماں

پہلے اپنی روح میں تاب و تواں بھی چاہیے
قُمْ بِاِذْنِ اللہ کہنے کو زباں بھی چاہئے

صرف پھونکوں سے نہیں جل اُٹھتے مٹی کے چراغ
شعلۂ سوزِ مسیحائے زماں بھی چاہئے

کسمایا بھی جو اپنی گور میں مردہ تو کیا
زندگی کے واسطے زندہ جہاں بھی چاہیے

باغ میں کچھ گل پریشاں ہیں تو اس کا فائدہ
باغ کی خاطر نظامِ باغباں بھی چاہیے

چشم وا ہے گر تری رقصِ زمیں کے واسطے
گوش وا بہر سماعِ آسماں بھی چاہیے

گر فضا ایسی ہوئی ہے جس سے شرمائیں یہود
اس فضا میں ابنِ مریم کی فغاں بھی چاہیے

ظلم اپنی جان پر تنویرؔ گو ڈھاتا ہے آپ
کچھ مگر لطفِ نگاہِ مہرباں بھی چاہیے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 28 جنوری 1942ء)

قادیاں

(مولوی محمد علی صاحب کا جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرنے کا مطالبہ اور اس کا جواب)

ہوتی قسمت کہ یہاں آپ بھی کچھ فرماتے
آپ ماحولِ مسیحا سے نکل کیوں جاتے

آپ سمجھیں تو یہ چیلنج ہے خود ایک شکست
آپ کو اب وہ گئے وقت ہیں پھر تڑپاتے

رونقِ قادیاں آج آپ کو ترساتی ہے
کاش آپ اپنے کئے پر بھی ذرا پچھتاتے

آپ کی بات میں تاثیر اگر کچھ ہوتی
قادیاں آئے ہیں، لاہور نہ کیوں ہم آتے

ٹوٹ کر نخل سے پتے بھی رہے ہیں سرسبز؟
اُڑ کے شعلہ سے شرارے نہیں کیا بجھ جاتے؟

دل میں گر کچھ بھی مسیحا کی حرارت رہتی
روڑے چلتی ہوئی گاڑی میں نہ آپ اٹکاتے

غیر کے ساتھ نہیں آپ کا کیا میل ملاپ؟
اور تنویرؔ سے کیا آپ نہیں کتراتے؟

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 5 جنوری 1942ء)

○

رونق قادیاں آج آپ کو ترستی ہے

خدا کے فضل سے سب خوش نصیب ہو تم لوگ
کہ ساکنانِ دیارِ حبیب ہو تم لوگ

خلوص پر ہے تمہارے نظام کی بنیاد
تمہاری ذات ہے تقویٰ، نجیب ہو تم لوگ

اسی نواح میں پھر اُترا کاروانِ حجاز
محمدؐ اور خدا کے قریب ہو تم لوگ

اسی فضا میں تڑپتی ہے پھر اذانِ بلال
کہ بارگاہِ رضا کے نقیب ہو تم لوگ

نئی زمین، نیا آسماں، جہان نیا
بساطِ چرخِ کہن میں عجیب ہو تم لوگ

تمہاری مِلک ہیں قربانیوں کے گنجِ عظیم
نگاہِ خلق میں بے شک غریب ہو تم لوگ

فرشتے پڑھتے ہیں جو آسمان پر تسبیح
ادیمِ خاک پہ ان کے رقیب ہو تم لوگ

ہے جن کے حلق میں الحانِ طائرانِ بہشت
طہور جن کا ہے دم، وہ خطیب ہو تم لوگ

تمہیں مسیح سے بخشش ہوا ہے فیضِ شفا
الم رسیدہ دلوں کے طبیب ہو تم لوگ

دعا کی رکھتا ہے تنویرؔ آرزو تم سے
کہ بارِ یابِ حضورِ مجیب ہو تم لوگ

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 11 فروری 1942ء)

اس رات کی ظلمت میں سحر دیکھ رہے ہیں

دانائی باطل کے ہنر دیکھ رہے ہیں
زہریلے خیالوں کے ثمر دیکھ رہے ہیں

پانی بھی بھڑک اٹھا ہے مٹھی میں ہوا تھی
بارود عناصر میں شرر دیکھ رہے ہیں

جیسے کسی بچے کے کھلونے ہوں یونہی آج
ابلیس کے ہاتھوں میں بشر دیکھ رہے ہیں

یہ نوح کا طوفان ہے یا لوط کی آندھی
سب خطروں سے بڑھ کر یہ خطر دیکھ رہے ہیں

آرام میں مشرق ہے نہ مغرب نہ جزائر
طبقاتِ زمیں زیرو زبر دیکھ رہے ہیں

ہیں سربفلک جتنے تکبر کے محلات
گرتے ہوئے سب خاک بسر دیکھ رہے ہیں

کھنڈرات کے انبار درانبار ہیں ہرسو
قائم کوئی دیوار نہ در دیکھ رہے ہیں

دنیا جو ہوئی جاتی ہے خود درہم و برہم
حیرت زدہ ہیں شمس و قمر دیکھ رہے ہیں

شہکار یہ انساں کی تباہی کا ملائک
افلاک سے دُزدیدہ نظر دیکھ رہے ہیں

پھر ٹوٹنے والا ہے یہ صنعت کا طلسمات
اس راز میں اک راز دگر دیکھ رہے ہیں

اک مرد خدا دوست کی تاثیر دعا سے
جبریل کا دنیا میں گزر دیکھ رہے ہیں

آوازِ مسیحائے زماں گونج رہی ہے
ہر چیز میں ہم اس کا اثر دیکھ رہے ہیں

حق نے جنہیں تنویر عطا کی ہیں نگاہیں
اس رات کی ظلمت میں سحر دیکھ رہے ہیں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 25 فروری 1942ء)

چند نکات

جناب شیخ! فراست کے بس کی بات نہیں
حدیث عشق ہوا و ہوس کی بات نہیں

یہ مائدہ [1] ہے محبت کے منّ و سلویٰ کا
بَصَل کا تذکرہ فوم و عدس کی بات نہیں

یہ ایک [2] در سلسلہ ہے طوبیٰ کا
گیاہِ خوردہ و خاشاک و خس کی بات نہیں

چمن [3] کے ساز سے جوڑ اپنا تار مرغ اسیر
نوا کی رَو نہیں جاری قفس کی بات نہیں

کریں علاج کہاں تک طبیب اے تنویرؔ
کہ درد دل کوئی ایک دو نفس کی بات نہیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 14 مئی 1942ء)

○

صراطِ مستقیم

لطیف تر نسیم ہے، نفیس تر شمیم ہے
کھلا درِ بہشتِ ناز، کلی کلی کلیم ہے
ازل کا پھر چھڑا ہے ساز، ترنّمِ قدیم ہے
ملک ملک ندیم ہے، زمیں زمیں کریم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراطِ مستقیم ہے

یہ کونسا جہان ہے، نیا ہی آسمان ہے
نئی ہی سرزمین ہے، خیال ہے گمان ہے
گمان کیا یقین ہے، نواحِ قادیان ہے
کہ رقص میں نسیم ہے ، کہ وجد میں شمیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراطِ مستقیم ہے

لبوں پہ حرف پاک پاک، جگر تمام چاک چاک
گری ہے برقِ آسماں، بھڑک اٹھی ہے خاک خاک
عیاں ہیں کس کے یہ نشاں، ہے کس کی آہ دردناک
مسیح یا کلیم ہے، اک آدمِ عظیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراطِ مستقیم ہے
وہ آفتابِ زندگی کرن بھی جس کی ہے نبی
ہے شان سے چمک رہا، نہار نصف پر ابھی
کبھی نہیں جو ڈوبتا، اسی کی ہے یہ روشنی
کہ قادیاں حریم ہے کہ قادیاں نعیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراطِ مستقیم ہے
ہو چین یا سیام ہو، الاسکا کہ ماسکو
سماٹرا کریمیا، ہو قاہرہ کہ ٹوکیو
بٹیویا کہ لیبیا، خدا کے فضل سے بڑھو
ہر اک وطن حریم ہے، ہر اک وطن نعیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراطِ مستقیم ہے

ہمارا نام احمدی، ہمارا کام احمدی
فساد اکبر آج ہے، ہمارا پیام احمدی
جہاد اکبر آج ہے، اٹھو تمام احمدی
یہ کام گو عظیم ہے، تو عزم بھی صمیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراط مستقیم ہے
یہ قافلہ ہے دین کا محبت اور یقین کا
الست مست اور بدست، عطا ہے نستعین کا
تمام نیست اور ہست ہے رب العالمین کا
غفور ہے کریم ہے، رؤف ہے رحیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراط مستقیم ہے
کرشن ہے کہ رام ہے، ہر ایک پر سلام ہے
ہے بدھ ہے ہود یا شعیب کہ وقت کا امام ہے
نہیں ہے اس میں کوئی ریب، ہر اِک کا یہ پیام ہے
خلیل یا کلیم ہے کہ امّی یتیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراط مستقیم ہے

ادھر بلند کوہسار، ادھر غار عمیق و تار
تو کیا خطر ہے کیا خطر، قدم ہے اپنا استوار
ہمیں نہیں کسی کا ڈر، ہے کارساز کردگار
کرشن ہے کہ رام ہے، ہر ایک پر سلام ہے
ہے بدھ ہے ہود یا شعیب کہ وقت کا امام ہے
نہیں ہے اس میں کوئی ریب، ہر اِک کا یہ پیام ہے
خلیل یا کلیم ہے کہ امتی یتیم ہے
چلے چلو چلے چلو
صراط مستقیم ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 6 مئی 1942ء)

محمود کے کلام کی تاثیر ہے کچھ اور

شیخ لغات باف کی تفسیر ہے کچھ اور
اس دلربا کا لہجۂ تقریر ہے کچھ اور

تدبیر سے بھی ہوتے ہیں اکثر تغیرات
پر انقلاب گردشِ تقدیر ہے کچھ اور

یونہی نہیں ہے مشرق و مغرب میں یہ فساد
تخریب میں ارادۂ تعمیر ہے کچھ اور

اس انجمن میں لاکھ ہوئے زمزمے بپا
لیکن سرودِ نعرۂ تکبیر ہے کچھ اور

عیاشئ دماغ ہے بلبل تری نوا
روح القدس کا نغمۂ دلگیر ہے کچھ اور

تنویرؔ لاکھ مولوی صاحب ہوں لاف زن
محمود کے کلام کی تاثیر ہے کچھ اور

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 18 دسمبر 1942ء)

آتشِ شوق

پھر نسیمِ قادیاں آنے لگی
پھر مری رگ رگ میں جاں آنے لگی

پھر وہی سازِ ازل چھیڑا گیا
پھر نوائے دلستاں آنے لگی

مسجدِ اقصیٰ میں ہیں شاید حضرتِ بلالؓ
مست ہو کر پھر اذاں آنے لگی

شاخِ طوبیٰ ہے کہ مینارِ مسیح
موجِ نورِ آسماں آنے لگی

پھر بہشتی مقبرہ ہے سامنے
بوئے گلہائے جناں آنے لگی

پھر لگا ہے جھومنے میرا قفس
پھر ہوائے آشیاں آنے لگی

از سرِ نو مردۂ صد سال میں
یادِ یارِ مہرباں آنے لگی
پھر تری آواز میرے کان میں
اے مسیحائے زماں آنے لگی
پھر بلاتا ہے مجھے تنویرؔ دوست
پھر مری رگ رگ میں جاں آنے لگی

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 19/دسمبر 1942ء)

○

مسیح وقت علیہ السلام کا بلاوا

سلام اس پر کہ جو قادیان آتا ہے
یہ سیدھا راستہ کوئے حرم کو جاتا ہے

فلک سے ہوتی ہے ارواحِ پاک کی بارش
کبھی جو شعلۂ ابلیس سر اٹھاتا ہے

وہ ڈال دیتا ہے تیل اور اپنی رحمت کا
ذرا چراغ ہدایت جو جھلملاتا ہے

سنو سنو یہ ہے جبریل کے پروں کی صدا
ضرور کوئی خدا کا وہ پیام لاتا ہے

چلو چلو یہی تنویرؔ آرزو تھی تری
مسیح وقت مجھے قادیاں بلاتا ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 22 دسمبر 1942ء)

○

''ان کا بھلا جو بارشِ دشنام کرتے ہیں''

یہ لوگ جو اسلام ہی اسلام کرتے ہیں
پوچھے کوئی اسلام کا کیا کام کرتے ہیں
محفل میں خوب گاتے ہیں جوشِ عمل کے گیت
گھر جاکے لیٹ جاتے ہیں آرام کرتے ہیں
ان حاجیوں کو دیکھیئے عین طواف میں
رہن ِایاغ جامۂ احرام کرتے ہیں
لفظوں میں مارتے ہیں بڑی جو خودی کی ڈینگ
اعمال میں تجارتِ اصنام کرتے ہیں
ملاّ بھی کام کرتے ہیں دن رات دین کا
دن رات ہم کو موردِ الزام کرتے ہیں
میدانِ کارزارِ عمل سے تو ہے گریز
ناحق یہ لوگ شکوۂ ایام کرتے ہیں

یہ لوگ کب سے چھوڑ چکے ہیں خدا کا کام
مفت اب خدا سے خواہشِ انعام کرتے ہیں
جو اعتراض کرتے ہیں کرتے ہیں اعتراض
جو کام کرنے والے ہیں وہ کام کرتے ہیں
پھر مصطفیٰ کا بادہ کدہ کھولتے ہیں ہم
پھر تشنگاں کے لب کے قریں جام کرتے ہیں
نعمت ملی ہے ہم کو جو شاہِ حجاز سے
نعمت وہ شرق وغرب میں ہم عام کرتے ہیں
نورِ جمالِ احمدی پھیلا کے چار سو
ہر دل سے دُور ظلمتِ آلام کرتے ہیں
پیغام حق، جو حق سے محمدؐ کو ہے ملا
ہر اک کے عرضِ گوش وہ پیغام کرتے ہیں
ٹیڑھے دلوں کو پھیرنے والا تو ہے خدا
حجت کا ہم تو دوستو اتمام کرتے ہیں
سنگساریاں جو کرتے ہیں، بخشے خدا انہیں
ان کا بھلا جو بارشِ دشنام کرتے ہیں

کیا روک لیں گے گردشِ تقدیر کا وہ سیل
جو روکنے کی کوششِ ناکام کرتے ہیں
کیا توڑ لیں گے ریت کے ذرّے چٹان کو
دل میں وہ اپنے آرزوئے خام کرتے ہیں
تنویرؔ اپنا کام ہے تبلیغِ حق فقط
تسبیحِ ذوالجلال والاکرام کرتے ہیں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 31 دسمبر 1942ء)

دعوتِ عمل

ماننِدِ صبا ہم کو ہر باغ میں جانا ہے
ہر ذرّے کے کانوں میں یہ زمزمہ گانا ہے

اس جلوہ سے ہر گل کو رنگین بنانا ہے
ظلمت کا ہر اک پردہ آنکھوں سے اٹھانا ہے

یہ قافلہ روحانی طاقت سے روانہ ہے
ہر ایک کو دعوت ہے آئے جسے آنا ہے

ہر ایک وطن میں اب اے دوستو جانا ہے
اور حرص و ہوا کی جو بستی ہے مٹانا ہے

شیطاں نے بنایا ہے جو قصر گرانا ہے
ہر شہر میں گھر اللہ کی رحمت کا بسانا ہے

پیغام مسیحائے موعود سنانا ہے
ہر ایک کو دعوت ہے، آئے جسے آنا ہے

جس کو نہ برسنا ہو وہ ابر بھی چھٹ جائے
جو سینہ لرزتا ہے بہتر ہے کہ پھٹ جائے

جو دوریٔ منزل سے ڈرتا ہے پلٹ جائے
جو ساتھ نہیں چلتا وہ راہ سے ہٹ جائے

ہر ایک رکاوٹ کو رستے سے ہٹانا ہے
ہر ایک کو دعوت ہے، آئے جسے آنا ہے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 25دسمبر 1942ء)

نئے ارض و سما کرتے ہیں اللہ کے ولی پیدا

جو مر جاتی ہے قوم اس میں نہیں ہوتے ولی پیدا
نہ ابوبکرؓ و عمرؓ پیدا نہ عثمانؓ و علیؓ پیدا

سمجھتے ہیں جو ہم کو ہیچ دنیا پر نظر ڈالیں
خفی سے ہو رہے ہیں زندگانی کے جلی پیدا

سمندر میں تڑپنے کی تمنا ہے اگر تجھ کو
تو کر رگ رگ میں پہلے موج کی سی بیکلی پیدا

نوائے بےعمل سے انقلاب آئے تو کیا آئے
نئے ارض و سما کرتے ہیں اللہ کے ولی پیدا

خراشِ گردشِ افلاک ہرگز سہ نہیں سکتے
جو ناداں تن میں کر لیتے ہیں جان مخملی پیدا

کوئی تنویرؔ آتا ہے زباں پر شعر جب تیرا
تو ہر اک لفظ سے ہوتی ہے مصری کی ڈلی پیدا

(روزنامہ الفضل مورخہ یکم جنوری 1943ء)

معترضین سے خطاب

ملی ہے رزِ ازل سے جنہیں نگاہ مگس
وہ پاک شے میں بھی کرتے ہیں جستجوئے نجس

ترے خیال صداقت کے روبرو یوں ہیں
کہ جیسے برق کے آگے ہو آشیانۂ خس

بچھا رہی ہے تری عقل دام پر کیا دام
تو اپنی ذات سے خود بن رہا ہے اپنا قفس

سمجھ تو سکتا ہے روح القدس کا تُو بھی نزول
سمجھنے دیتا نہیں تجھ کو پر غرورِ نفس

فلک سے مائدہ اترا ہے منّ و سلویٰ کا
تری زباں کو ہے لیکن مذاقِ فوم و عدس

قیامت آئی ہے اب پھر تجھے جگانے کو
گزر گئے ہیں تجھے خواب میں ہزار برس

خدا کے فضل سے اٹھی ہے رحمتوں کی گھٹا
فلک کے پانی کو یہ سرزمیں گئی تھی ترس

خدا کے نبیوں کا قرآں میں ذکر ہے تنویرؔ
ہمیشہ ان کے مخالف تھے بندگانِ ہوس

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 5 جنوری 1943ء)

کل ہوں گی وہ حقیقتیں جو آج خواب ہیں

یہ ٹھٹھے کہہ رہے ہیں کہ عنواں خراب ہیں
باتیں تمہاری آپ ہی اپنا جواب ہیں

نیزہ ہے یا کہ ہاتھ ہے اتنی نہیں خبر
پر اتنا جانتا ہوں کہ سر زیرِ آب ہیں

آئینہ خانہ میں بھی ستارہ شناس جھانک
اک آفتاب ہے کہ کروڑ آفتاب ہیں

تنویرؔ خوف چاہیے پاداشِ جرم کا
کیا جانے کیا پلک کے عقب میں عذاب ہیں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 9 جنوری 1943ء)

یہ کون ہے؟

وہ کون ہے جو مصلح موعود ہے؟
اور کون ابنِ مہدی مسعود ہے؟
محمود ہے، محمود ہے، محمود ہے

ہے کون اولوالعزم آج اور فضلِ عمر
کون اب بشیرِ ثانیؓ معہود ہے
محمود ہے، محمود ہے، محمود ہے

یہ مسجد اقصیٰ، یہ مینارِ مسیح
اس سرزمیں میں ہر نشاں موجود ہے

ہم احمدیؐ ہیں، ہم خدا کے ہیں عباد
ہے سب جہاں معبد، خدا معبود ہے

کام اپنا ہے تبلیغ دینِ مصطفیٰ
بس یہ ہماری منزلِ مقصود ہے

یہ جان لے، یہ خوب ساحل جان لے
اب روکنا سیلاب کو بے سود ہے

میرے گناہوں کا نہیں حدّ و شمار
پر عفو کا دامن بھی لامحدود ہے

اُٹھ پھر خدا کے فضل سے تنویرؔ اٹھ
کہسار یہ آفات کا بے بود ہے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 24 جنوری 1943ء)

○

کیا نہیں پورا ہوا اللہ کا وعدہ دیکھ لو

گالیاں دیتے ہو پہلے منہ تو اپنا دیکھ لو
کہہ گیا ہے کس کی خاطر؟ کیا؟ مسیحا دیکھ لو

اس قدر کی ہیں دعائیں اس نے کس کے واسطے؟
کھول کر درثمین کا صفحہ صفحہ دیکھ لو

یہ نہیں محمود کیا؟ وہ شریف احمد نہیں ؟
وہ بشیر احمد نہیں؟ تینوں کا حلیہ دیکھ لو

کیا نہ کی ان کیلئے ہر وقت تقویٰ کی دعا ؟
'' بار ہا دی'' یہ'' خبر تو نے'' یہ لکھا دیکھ لو

دیکھ لو محمود ہے اس وقت امیر المؤمنین
کیا نہیں پورا ہوا اللہ کا وعدہ؟ دیکھ لو

قادیانی کا ہمیں طعنہ جو دیتے ہو تو شرم!
قادیانی کون تھا؟ الہام اس کا دیکھ لو

قادیانی کیا ’’ غلام احمدؑ‘‘ نہیں الہام میں ؟
قادیان کا نزدِ حق رتبہ ہے کتنا دیکھ لو

تھی خدا کی یہ بشارت کس زمیں کے واسطے ؟
آؤ اور ’’ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ ‘‘ کا نظارہ دیکھ لو

کیا کبھی ’’ برباد‘‘ ہوسکتی ہے ’’نسلِ سیدہ‘‘؟
کیانہیں اس’’ باغ‘‘ میں’’شمشادِ‘ رعنا؟ دیکھ لو

اعتراض اغیار کے اپنا کے اتراتے ہو کیا
ساتھ ہی ان کے خود اپنا بھی جنازہ دیکھ لو

دوسروں کی’’ہاں میں ہاں‘‘ کس نے ملائی سچ کہو
’’کشتیٔ نوح‘‘ آئنہ ہے اس میں چہرہ دیکھ لو

مولوی صاحب بہت ناراض ہیں تنویرؔ سے
سچ ہوا اَلۡحَقُّ مُرٌّ کا مقولہ دیکھ لو

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 14 اگست 1943ء)

○

جو مردوں کو زندہ کرے ''میرزا'' ہے

مجھے میرزائی کہا؟ مہربانی
میں ہوں میرزائی، میں ہوں قادیانی

جو مردوں کو زندہ کرے ''میرزا'' ہے
یہ قادانیت ہے مسیح الزمانی

سمجھتے نہیں ہیں فلک کے اشارے
یہ ہے رِیت اہلِ خرد کی پرانی

کہ جب خشک ہوتے ہیں دنیا کے چشمے
برستا ہے دنیا پہ رحمت کا پانی

مجھے نام سے کیا کوئی نام رکھ لے
بدلتی نہیں نام سے زندگانی

میں نازاں ہوں تنویرؔ اس پر کہ ہوں میں
غلامِ غلام احمدِ قادیانی

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 20 اگست 1943ء)

میرا وطن ہے قادیاں

کیا پوچھتا ہے اے جواں
میرا وطن نام ونشاں
میں احمدی ہوں مہرباں
میرا نرالا ہے جہاں
جس کی انوکھی ہے زمیں
جس کا نیا ہے آسماں
میرا وطن ہے قادیان میرا وطن

میں پیکرِ بے جان تھا
اک موت تھی جینا مرا
ایسا مسیحا مل گیا
پھر جس نے زندہ کر دیا
میرا وطن بھی ہے وہی
میرا مسیحا ہے جہاں
میرا وطن ہے قادیان میرا وطن

میرا وطن ہے ہر کہیں
میرا وطن ہے ہر زمیں
مجھ سے کوئی خالی نہیں
پردیس میں ہوں میں مکیں
گو جسم کوسوں دور ہو
پر روح میری ہے وہاں
میرا وطن ہے قادیاں میرا وطن
میرا وطن ہے ہر وطن
میرا چمن ہے ہر چمن
ہوں مثلِ بوئے نسترن
اک جان ہے لاکھوں بدن
ہر احمدی ہے تن مرا
ہر احمدی ہے میری جاں
میرا وطن ہے قادیان میرا وطن

کوئی نہیں اس کے سوا
سوئے حرم اب راستہ
خود مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے رہنما
اس راستہ میں ہے خدا
آ تو بھی چل کر دیکھ لے
روشن صداقت کے نشاں

میرا وطن ہے قادیاں میرا وطن

(روزنامہ الفضل مورخہ 24 جنوری 1943ء)

کیا کھلے غنچہ، خزاں نے ہے جسے لوٹا ہوا

گر ترا سازِ چمن سے تار ہے ٹوٹا ہوا
نغمہ بھی اس ساز سے نکلے گا تو پھوٹا ہوا

سب جہاں کی بادشاہت ہاتھ آ جائے تو کیا
تو خدا کی بارگاہ سے گر رہا چھوٹا ہوا

آسمانی شبنموں کی راہ جب مسدود ہے
کیا کھلے غنچہ، خزاں نے ہے جسے لوٹا ہوا

قادیاں کی سرزمیں میں کلمۂ طیب کا بیج
دیکھ اے غافل عظیم الشان کیا بوٹا ہوا

جاگتے کو کیا جگائے گا بھلا تنویؔر تُو
جان کر جھوٹا جو بنتا ہے وہ کب جھوٹا ہوا

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 26 اگست 1943ء)

○

میں نہیں بندہ ترا، پر تُو خدا میرا تو ہے

مکر کے جالوں سے پھر ابلیس نے گھیرا تو ہے
چار سو میرے گھٹا ٹوپ آج اندھیرا تو ہے

میں بڑا کمزور ہوں لیکن بڑا ہے تُو قوی
میں نہیں بندہ ترا، پر تو خدا میرا تو ہے

گو نہیں غمخوار اپنے آپ کا میں آپ بھی
تُو تو ہے غمخوار مجھ کو آسرا تیرا تو ہے

آ رہی ہے جنت الفردوس کی تازہ ہوا
ابرِ رحمت بار نے رُخ اس طرف پھیرا تو ہے

ہوں گی اے تنویرؔ اجڑی بستیاں آباد پھر
قادیاں میں پھر کیا دلدار نے ڈیرہ تو ہے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 29 اگست 1943ء)

علامہ اقبال نے بعنوان ''نبوت'' ایک نظم میں یہ شعر لکھا:

وہ نبوت ہے مسلمانوں کیلئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

(ضربِ کلیم۔صفحہ 84)

اس شعر میں گویا علامہ نے خونی مہدی کے غلط تصور کی تائید کی ہے۔محترم تنویر صاحب نے اس نظم میں علامہ کے اس غلط نظریہ کی تردید کی ہے۔ (مرتب)

شاعرِ بےعمل

ہے یہ مومن کے لئے قوت و شوکت کا پیام
شیخ کیا جانے ہے کیا شانِ نبوت کا مقام

لیلۃ القدر میں ہوتا ہے ملائک کا نزول
اس کی رحمت نہیں کچھ تیرے تخیل کی غلام

شعر سے تُو نے بپا کی ہے وہ دنیا جس میں
ذکرِ کردار حلال اور ہے کردار حرام

رجز خوانی تری کیا جوش میں لائے گی ہمیں
جس سے تُو ہو نہ سکا آپ بھی سرگرمِ خرام

کاش اس امّتِ ناداں پہ ہویدا ہو یہ راز
میرِ لشکر نہ ہو جب، خاک ہو لشکر کا نظام

دشت کے ذرّے پریشان ہیں بے ربطی سے
جذب باہم سے ہے کہسار کے ذرّوں کو قیام

آہ اس قوم کا انجام نہ پوچھ اے تنویرؔ
جس کا ہر فردِ بشر آپ ہی ہو اپنا امام

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 29 ستمبر 1943ء)

○

مسلمانوں کی پریشاں حالی

وہ کرتے رہیں بزم میں شعر خوانی
عمل اور ہے، اور ہے لن ترانی

مسلمان اک لاش ہے ہر وطن میں
ہو ہندوستان کہ ماژ ندرانی

لگائے ہوئے تاک بیٹھا ہے مردہ
ملے بھیک میں پھر نئی زندگانی

تمنا یہی ہے کہ بے سعی و کوشش
عطا ہو اسے نعمتِ حکمرانی

یہی ہے کہ تھے ہیچ جس کی نظر میں
کلاہ تتاری، قبائے کیانی

یہ کھو بیٹھا ہے کھوج اس زندہ جُو کا
رواں جس میں ہے عرش کا صاف پانی

سمجھتا ہے قرآن کی یہ حفاظت
کہ یٰسٓ آتی ہے اس کو زبانی

ہے ہر ایک ناداں امام آپ اپنا
جماعت کی تنظیم ہے سرگرانی

امامت ہے تنویرؔ وہ آج باطل
نہیں جس میں شانِ مسیح الزمانی

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ یکم اکتوبر 1943ء)

○

حکومتِ الٰہیہ

ترا ہنر کجا، کجا حکومت الٰہیہ
ہے خاص صنعِ کبریا حکومت الٰہیہ

ہوا نہیں، جفا نہیں، ریا نہیں، دغا نہیں
نہیں فریب ماسوا حکومت الٰہیہ

نہیں ہے اس میں ما و من، نہ جسم و تن نہ مکر و فن
ہے صاف چشمۂ ہدیٰ حکومت الٰہیہ

نہیں زمیں کی لیڈری نہ چرچلی نہ ہٹلری
ہے مہدویتِ سماء حکومت الٰہیہ

خدا سے واسطہ نہیں تو مہدیٔ خدا نہیں
کہ ہے تعلقِ خدا حکومت الٰہیہ

اسی کو جو قبول تھا اسی کا جو رسول تھا
وہ مرد کرگیا بپا حکومت الٰہیہ

ہے نشأۃ ثانیہ یہی اٹھ اے جوانِ احمدی
تجھے ہوئی ہے پھر عطا حکومت الٰہیہ

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 2 دسمبر 1943ء)

○

سنوسنو

محکم ہے کیوں نظام ہمارا سنو سنو
محمود ہے امام ہمارا سنو سنو

کہتے ہیں ہم تو آپ ہی کی بہتری کی بات
یہ غور سے کلام ہمارا سنو سنو

اللہ نے دیا ہے محمدؐ کو خود جو پیام
بالکل وہی ہے پیام ہمارا سنو سنو

قرآن کے ظروف میں ہے جو مئے طہور
پُر ہے اسی سے جام ہمارا سنو سنو

احمدؑ میں پھر بسا ہے جمالِ محمدی
اور احمدی ہے نام ہمارا سنو سنو

ہے قادیاں ہمارے لئے مادرِ وطن
گو ہو کہیں قیام ہمارا سنو سنو

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ یکم جنوری1944ء)

○

جواب دو

ہوتی ہیں سنگساریاں کس پر جواب دو
طائف میں کس نے کھائے تھے پتھر جواب دو

کس نے بہا دیا ہے یہاں بے گنہ لہو
کابل کی کیوں زمین ہے احمر جواب دو

جذبات سے عوام کے کرتا ہے کھیل کون
اللہ کا کس کے دل میں نہیں ڈر جواب دو

مردے اکھاڑتے ہیں جو قبروں سے کون ہیں
یہ مؤمنوں کا کام ہے کیونکر جواب دو

ہر وقت کون ہوتے ہیں آمادۂ فساد
دیتے ہیں کون گالیاں فرفر جواب دو

یہ لعل ننگِ ملتِ بیضا نہیں ہیں کیا
موت اس سے کیا نہیں کہیں بہتر جواب دو

کرتے ہیں نقضِ امن کا اقدام کون لوگ
غنڈوں کا کس کے ساتھ ہے لشکر جواب دو

خیر الرسل کا اسوۂ حسنہ ہے کیا یہی
انصاف سے یہ سوچ سمجھ کر جواب دو

کرتے ہیں کون حملے مدینہ پہ بار بار
کھاتے ہیں کون منہ کی برابر جواب دو

ہوتا ہے کون لاتا ہے جو پیام امن کا
جب بحر و بر میں پھیلتا ہے شر جواب دو

قرآن لے کے ہاتھ میں نکلا ہے آج کون
کچلا ہے کس نے دہریت کا سر جواب دو

ان کی بجائے کام کیا کرلیں گے بے ہنر
مٹ جائیں کیوں جہاں سے ہنرور جواب دو

تنویرؔ کا سوال تو معقول ہے حضور
بہرِ خدا برائے پیمبر جواب دو

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 21اپریل 1945ء)

○

احمدی مبلغ سے

ہر اک زمین میں دارالامان پیدا کر
جہاں بھی جائے وہاں قادیان پیدا کر
تمام خلق کو شیطان نے کیا ہے ہلاک
پھر اپنی سانس سے مُردوں میں جان پیدا کر
سنانا تُو نے ہے اقوام کو خدا کا کلام
دہن میں اپنے خدا کی زبان پیدا کر
مسیح وقت کے جس جا نہیں نشان وہاں
خود اپنی ذات سے زندہ نشان پیدا کر
بغیر تیر جو کرلیتی ہے دلوں کو شکار
نگاہِ لطف کی ایسی کمان پیدا کر
اٹھے جو شعلہ تو کھل جائے شاخ گل بن کر
وہ پختہ عزم دمِ امتحان پیدا کر

کرشنؑ و گوتمؑ و زرتشتؑ و ابنِ مریمؑ کیا
بلاغِ حق میں محمدؐ کی شان پیدا کر
تری رضا میں ہے سارے مقدّسوں کی رضا
مقدّسوں کی رضا کا جہان پیدا کر
مٹا دے فرقِ نشیب و فراز اے تنویرؔ
نئی زمین نیا آسمان پیدا کر

○

ہمارا دیس

پردیس عزیز وہ ہے ہم کو جس دیس میں جینا بن جائے
یہ ہند ہمارا حبشہ ہے جب تک نہ مدینہ بن جائے

ہے گرچہ کنارہ دور بہت ہر چند ہوا ہے زوروں پر
گر ڈوبنا تجھ کو آجائے ہر موج سفینہ بن جائے

وہ ارض مقدس ہے جس پر سایہ ہو خدا کے بندے کا
موسیٰؑ ہو تو خاک کا ہر ذرّہ اک وادیٔ سینا بن جائے

ہے قادیاں ایسی پاک زمیں، جس پر کہ مسیحا اترا ہے
یاں نابینا بھی گر آئے تو فوراً بینا بن جائے

تنویرؔ ہر ایک بلندی بھی پستی ہے اگر دل کافر ہو
مومن ہو تو ہر اک سانس تری افلاک کا زینہ بن جائے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 8 جنوری 1946ء)

○

حصارِ عافیت

میں ہر جگہ دیارِ مسیحِ زماں میں ہوں
یعنی سیالکوٹ میں بھی قادیاں میں ہوں

گو چارسُو نزولِ بلا ہے تو کیا خطر
میں اس کے فضل و رحم کے دارالاماں میں ہوں

اہلِ کنارہ اور کنارے ہیں زیرِ موج
''کشتیٔ نوح'' پر میں یمِ بیکراں میں ہوں

ہر چند ہے زمین وہی آسماں وہی
پر میں نئی زمین نئے آسماں میں ہوں

دیکھو نہ مجھ کو چشمِ حقارت سے اے گلو
خاشاک ہی سہی میں مگر گلستاں میں ہوں

یہ کہہ رہی ہے روحِ محمدؐ پکار کر
میں پیرِ قادیان کے عزمِ جواں میں ہوں

تنویرؔ ایسا زندہ کیا ہے مسیحؑ نے
جانِ جہاں ہوں گرچہ تنِ ناتواں میں ہوں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 30 ستمبر 1946ء)

○

عیدِ قربان

عید قربان ہے پر عید کا سامان کہاں
جان قربان کردوں تن میں مگر جان کہاں

ہاتھ کو ہوتی تو ہے جوشِ جنوں سے تحریک
چاک کرنے کیلئے پاس گریبان کہاں

نذر کیا پیش کروں عید کی شاہزادی کو
میرے دامن میں گل و لالہ و ریحان کہاں

موج ہی بن کے تڑپ جاتا جو دریا ملتا
ہو نہ دریا تو اٹھائے کوئی طوفان کہاں

کیوں اٹھے دل میں ترے موجِ نشاط اے تنویرؔ
ہے مسلمان کی عید اور تُو مسلمان کہاں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 4 نومبر 1946ء)

○

قُمْ بِاِذْنِ اللہ

ہوا ہے پھر وہی اعجاز قُمْ بِاِذْنِ اللہ
لقا کا پھر ہوا آغاز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

ہزار سال سے مردہ پڑا ہوا ہے تُو
ہے یہ مسیح کی آواز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

جو راز کھولا گیا تھا گذشتہ نبیوں پر
کھلا ہے آج وہی راز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

گرے ہوؤں کے اٹھانے کو پھر جھکا ہے وہ
ہے بے نیاز کا یہ ناز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

سنی تھی روح نے جس سے کبھی نوائے الست
پھر اس نے چھیڑ دیا ساز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

تو پاؤں توڑ کے بیٹھا ہے کس لئے تنویرؔ
ابھی ہے توبہ کا دَر باز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 24 دسمبر 1946ء)

پھر اس نے چھیڑ دیا ساز

وہی وہی ہے یہ آواز قُمْ بِاِذْنِ اللہ
پھر اس نے چھیڑ دیا ساز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

نئی زمیں نیا آسماں حیات نئی
نئے جہاں کی ہے آغاز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

سمو گیا ہے اذاں میں پھر اس کی رحمت سے
بلالؓ کا ساہی انداز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

پکارتا ہے تجھے پھر محمدِؐ عربی
ہوا ہے پھر وہی اعجاز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

ہوا ہے عرش سے روح و ملائکہ کا نزول
ہو تو بھی مائل پرواز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

خدا خدا ہے پشیماں نہ ہو، ہوا سو ہوا
ابھی ہے توبہ کا در باز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

کیا ہے زندہ مسیحا نے پھر تجھے تنویرؔ
ہو تو بھی محو تگ و تاز قُمْ بِاِذْنِ اللہ

(روزنامہ الفضل مورخہ 17 مارچ 1949ء)

قادیان آ

ہے اس جگہ مسیحِ زماں قادیان آ
آ جی اٹھے گا آ کے یہاں قادیان آ

اترا یروشلم ہے نیا آسمان سے
انجیل میں ہے اس کا نشاں قادیان آ

یونہی نہ بات مولوی صاحب کی مان لے
سچ جھوٹ سارا ہوگا عیاں قادیان آ

کعبہ کو اب یہیں سے نکلتا ہے راستہ
غافل بھٹک رہا ہے کہاں قادیان آ

تنویرؔ اب یہ ارضِ مقدس ہے حرم
تسبیح خواں و سجدہ کناں قادیان آ

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 12 دسمبر 1946ء)

○

نماز اگر ہے تری بے وضو تو کچھ بھی نہیں

یہ محض غلغلۂ ہاؤ ہُو تو کچھ بھی نہیں
نہیں جو اس سے رہِ گفتگو تو کچھ بھی نہیں

ترا اقامتِ دیں کا چمن ہے گو خوش رنگ
نہیں خدا سے تعلق کی بُو تو کچھ بھی نہیں

سبو ہے خوب ان الحکم الّا اللہ کا
مئے رضا سے تہی ہے سبو تو کچھ بھی نہیں

ملا نہ عرش کے چشمے سے جب اسے پانی
پھر اجتہاد کی یہ خشک جُو تو کچھ بھی نہیں

جو دل نہیں ہے مطہر تو چھُو نہ قرآں کو
نماز اگر ہے تری بے وضو تو کچھ بھی نہیں

خدا کی بادشاہت ہے خدا کی بادشاہت
ہے اس کا فضل تری آرزو تو کچھ بھی نہیں

تری نوا میں مسیحا کی سانس ہے تنویرؔ
تُو ایک تار ہے نادان تُو تو کچھ بھی نہیں

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 18 اپریل 1947ء)

○

قدسیوں سے کچھ محمدؐ کی زباں تو سیکھ لے

فنِّ تعمیرِ حیاتِ جاوداں تو سیکھ لے
شانِ استقبالِ مرگِ ناگہاں تو سیکھ لے

میکشوں کی بزم میں شامل اگر ہوتا ہے تُو
پہلے کچھ آدابِ بزمِ میکشاں تو سیکھ لے

چاہتا ہے گر سمندر میں ہو پیدا اضطراب
تلملانا صورتِ موجِ تپاں تو سیکھ لے

دامن محبوب پر گلکاریاں ہوں گر پسند
شوخئِ بارانِ چشمِ خونفشاں تو سیکھ لے

تجھ کو گلشن کی چمن بندی ہے گر پیشِ نظر
پہلے کچھ طور و طریقِ باغباں تو سیکھ لے

گر تُو چاہے گرد تیرے رقص پروانے کریں
شمع سے آرائشِ سوزِ نہاں تو سیکھ لے

آرزو ہے گر ترے مجنوں گریباں چاک ہوں
چشمِ لیلیٰ سے نگاہِ دلستاں تو سیکھ لے

گر اٹھا ہے تو سنانے کو محمدؐ کا پیام
قدسیوں سے کچھ محمدؐ کی زباں تو سیکھ لے

ہے تمنا، ازسرِ نو زندہ ہوں مُردے ترے
طرزِ انفاسِ مسیحائے زماں تو سیکھ لے

مدعا ہے گر بنے مسجد خدا کی سرزمیں
پہلے تکریم زمینِ قادیاں تو سیکھ لے

سر میں سودا ہے اگر تنویرؔ پاکستان کا
پہلے اس پاک آستاں سے این وآں تو سیکھ لے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 25اپریل1947ء)

○

بہشتی مقبرہ

یہاں مدفون ہیں کچھ پاک سیرت ، پارسا بندے
یہ تھے اہلِ صفا، اہل رضا، اہل خدا بندے

چمک ملتی ہے افزوں ٹوٹنے والے ستاروں کو
تڑپ نے کردیا ہے جاوداں سیماب پاروں کو

یہ وہ ہیں نعرۂ لبیک جن کے تا فلک اٹھے
یہ وہ ہیں جن کے دل سے شعلے وحدت کے بھڑک اٹھے

انہیں نے دین پر قرباں کیا ہے جان و مال اپنا
انہی نے راہِ مولا میں دیا ہے بال بال اپنا

یہ گورستان ہے یا زندہ انسانوں کی بستی ہے
نہیں ہے نیستی کا نام بھی، ہستی ہی ہستی ہے

انہی نے سابقون الاوّلوں کا مرتبہ پایا
مسیحؑا کو سلامِ سرورِ کونینؐ پہنچایا

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 26 مئی 1947ء)

شعائر اللہ

میناره المسیح نشانِ مسیح ہے
سائے میں اس کے زندہ جہانِ مسیح ہے

کیا ذکر کیجی مسجدِ اقصیٰ کی شان کا
جس کی ہر ایک اینٹ میں شانِ مسیح ہے

مسجد مبارک اور بھی رکھتی ہے مرتبہ
یعنی کہ وہ شریک مکانِ مسیح ہے

لیکن بہشتی مقبرہ ہے بولتا نشاں
ان مُردوں کے دہن میں زبانِ مسیح ہے

تنویرؔ قادیان میں چل کان کھول کر
سن! ذرّہ ذرّہ زمزمہ خوانِ مسیح ہے

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مورخہ 2 جون 1947ء)

ہلال عید سے

شاعر مغموم کہتا ہے ہلال عید سے
ڈوب بھی جا، جی مرا جلتا ہے تیری دید سے

آسماں سے کیا ہمارے واسطے لایا ہے تو
عید ہی آئی نہیں تو کس لئے آیا ہے تو

دیکھنے میں گو بظاہر تو ہمہ تن گوش ہے
آہ شنوائی سے لیکن تو تہی آغوش ہے

جن کے سر تھے زینت تاج شہنشاہی کبھی
کیا سنی ہے انکی فریادِ سحر گاہی کبھی

کھول کر آنکھیں ذرا یہ درد کا عالم تو دیکھ
چین سے لے کر مراکش تک صفِ ماتم تو دیکھ

مجھ کو اے تنویرؔ تیرا سوز دل معلوم ہے
آپ اپنے آپ سے بھی آج تو محروم ہے

اپنی کھیتی کر کے خود برباد اب روتا ہے کیا
کاٹنا تو چاہتا ہے دیکھ پر بوتا ہے کیا
وعدۂ لیستخلفنہم کو تو سمجھا نہیں
ہے محمد کی خلافت امن عالم کی امیں
جب تلک اس پر رہا الدین لِلّٰه کا اثر
سلطنت کی شاخ سے لگتے رہے شیریں ثمر
جب گئی شانِ خلافت بادشاہت بھی گئی
جاہ وحشمت بھی گئی دولت بھی عزت بھی گئی
ہو نہ لا اکراہ فی الدین جس حکومت کا اصول
وہ حکومت عرش اعظم پر نہیں ہوتی قبول
سلطنت الفقر فخری کا فقط اک سایہ ہے
تختۂ سلماں کا اک تختِ سلیماں پایہ ہے
ہر برس فردوس سے آتا ہوں تیرے واسطے
ساغرِ آبِ بقا لایا ہوں تیرے واسطے
میں وہی ہوں آنکھ تیری دید کے قابل نہیں
عید تو آتی ہے تو ہی عید کے قابل نہیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 18 اگست 1947ء)

○

ہے فضلِ عمر قافلہ سالار چلا چل

اس رہ سے ہے وہ خوب خبردار چلا چل
ہے فضلِ عمر قافلہ سالار چلا چل

اللہ کے اولوالعزم کا ہے عزم ترے ساتھ
دشوار نہیں منزلِ دشوار چلا چل

بن جائے گا گل چُبھ کے ترے پاؤں میں ہر خار
کیا ڈر جو بیابان ہے پُر خار چلا چل

پھر اس نے عطا کی ہے ہمیں نوح کی کشتی
طوفاں سے نکل جائے گا تو پار چلا چل

میراثِ خلیلی کا ہے تنویرؔ تو وارث
یہ آتشِ نمرود ہے گلزار چلا چل

(روزنامہ الفضل مورخہ 17 ستمبر 1947ء)

نوجوان سے

ہے تازہ لہو تیری رگوں میں
اُٹھ باغ میں تازہ کار ہو جا

طوفاں میں نہیں حُباب بنتے
گرداب سے ہمکنار ہو جا

دامن سے کسی طرح الجھ جا
گل ہو نہ سکے تو خار ہو جا

ہے بادِ صبا تو ہو خراماں
بلبل ہے تو نغمہ بار ہو جا

دریا ہو نصیب موج بن جا
گلخن جو ملے شرار ہو جا

کیا ڈھونڈتا ہے چمن چمن میں
تنویرؔ تو خود بہار ہو جا

(روزنامہ الفضل مورخہ 16 جنوری 1949ء)

○

خورشید ایک ثمر ہے اس شجرۂ دُعا کا

اے شائقِ عبادت اے طائر مکرم
نعرے لگا رہا ہے جو گنبدِ سحر میں

اشجار کے معنی ہیں محوِ خواب ابھی تک
منقار اپنی دابے خاموشیوں کے پر میں

ذوق تقی نے لیکن تجھ کو جگا دیا ہے
ایسی تپش نہیں ہے ہرگز دل بشر میں

پڑھنے کو تو تہجد اٹھا ہے پچھلی شب کو
مارے ہیں تیر تو نے تاثیر کے جگر میں

ہے چاک چاک دامن ہر پھول کی کلی کا
ہیں گرم گرم آنسو سبزے کی چشم تر میں

تیری نوا ہے منبع ہنگامۂ ضیا کا
خورشید اک ثمر ہے اس شجرۂ دعا کا

دل میں سمجھ لے اپنے اے زائرِ گلستان
نظارگی وہی ہے بیدار جو یہاں ہے

یہ خاکداں نہیں ہے کاشانۂ خموشی
ہر نخلِ زندگانی مینارۂ اذاں ہے

تنویرؔ مستِ غفلت بیدار تو بھی ہوجا
طنبورۂ سحر کا اک تار تو بھی ہوجا

(روزنامہ الفضل مورخہ 16 فروری 1949ء)

○

تیرا نہ میرا

خدا کا ہے اسلام، تیرا نہ میرا
یہ رحمت کا الہام تیرا نہ میرا

وہ چاہے تو مُردوں کو پھر زندہ کردے
اسی کا ہے یہ کام تیرا نہ میرا

سمجھ مت غلام اس کو اپنی غرض کا
کہ یہ فیض ہے عام تیرا نہ میرا

وہ جب چاہے گردش میں لے آئے اس کو
یہ ساقی کا ہے جام، تیرا نہ میرا

اسی کا ہے جو پاک نیت سے باندھے
وگرنہ یہ احرام، تیرا نہ میرا

سناتا ہے تنویرؔ سارے جہاں کو
مسیحا کا پیغام تیرا نہ میرا

(روزنامہ الفضل فروری 1949ء)

مرا کام تبلیغِ اسلام ہے

مرا کام تبلیغِ اِسلام ہے
مجھے اور کاموں سے کیا کام ہے

مسیحا نے زندہ کیا ہے مجھے
مرے جسم میں روحِ الہام ہے

مری سانس ہے موجۂ زندگی
پُر آب خضر سے مرا جام ہے

امانت خدا کی ہے دل میں مرے
زباں پر محمدؐ کا پیغام ہے

مجھے سب کمالات بخشے گئے
یہی نعمتِ حق کا اتمام ہے

جو پھیلا ہے یہ بحر و بر میں فساد
زیادہ خرد کا یہ انجام ہے

نہ ہو جائے تُو بھی گرفتار دیکھ
یہ ابلیس کا حلقۂ دام ہے

ہے نعمت حقیقی خدا کی رضا
حکومت تو ادنیٰ سا انعام ہے

طوافِ حرم کے سوا کچھ نہ کر
کہ باندھا ہوا تو نے احرام ہے

تو کر ترک سب کچھ بحکمِ خدا
یہ تنویرؔ مِن حُسنِ اسلام ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 9 مارچ 1949ء)

کیا مل گیا ساقی کی نگاہوں سے اُتر کے

اب منتظر لطف ہیں غیروں کی نظر کے
کیا مل گیا ساقی کی نگاہوں سے اُتر کے

پہنچا نہ کوئی چشمۂ حیواں پہ سکندر
یہ چیز ازل سے ہے مقدّر میں خضر کے

مہلک بڑی ہوتی ہے خرد مند کی ضد بھی
دکھلا دیا میداں میں ابوجہل نے مر کے

ہو قوسِ قزح بھی تو بھلا زاغ کے پَر پر
کیا نقش بنا سکتی ہے طاؤس کے پَر کے

پھر بُوم کی تھم جاتی ہے آواز بھیانک
جب زلزلے گونج اُٹھنے لگیں مرغِ سحر کے

محمود کی تفسیر کے آئینہ میں تنویرؔ
قرآن کے حرف آئے نظر لعل و گہر کے

(روزنامہ الفضل مورخہ 26 مارچ 1949ء)

ترے منتظر ہیں زمیں کے کنارے

نکل پڑ دبا کر بغل میں سپارے
ترے منتظر ہیں زمیں کے کنارے

محمدؐ کو قرآن جس نے دیا ہے
وہی کر رہا ہے ہمیں بھی اشارے

سہیں گے سہیں گے جو دکھ بھی ملے گا
کریں گے نہ پر تجھ کو ناراض پیارے

تری راہ میں جس کا لٹ جائے سب کچھ
اسی کے ہو جاتے ہیں وارے نیارے

ذرا ناخدا دیکھ کیا دیکھتا ہوں
کنارے بھنور ہیں بھنور ہیں کنارے

ہے طوفان بپا، کشتیٔ نوح پر آ
چٹانوں کے تنکے نہ دیں گے سہارے

جو پہلے زمانوں میں بندوں سے بولا
وہ بولے گا اب بھی اگر تو پکارے

وہی جو خدا ہے ہمارا تمہارا
نبیڑے گا قضیئے ہمارے تمہارے

وہی بس سنوارے گا تنویرؔ اب بھی
مرے کام سب جس نے پہلے سنوارے

(روزنامہ الفضل اپریل 1949)

○

ربوہ

ترا بھی ہوگیا اونچا بڑا نشاں ربوہ
کہ تو بھی بن گیا ان کا ہی آستاں ربوہ

یہاں بھی رحمتیں اس کی کیا کریں گی نزول
قریب ہوگیا تجھ سے بھی آسماں ربوہ

ترس رہا ہے جہاں جس کے قطرے قطرے کو
وہ چشمہ پھوٹنے والا ہے اب یہاں ربوہ

تری ہوائیں بھی جاں بخش ہوگئیں کہ یہاں
اتر پڑا ہے مسیحا کا کارواں ربوہ

تری زمین بھی آباد ہوگی سجدوں سے
تری فضا میں بھی گونجے گی اب اذاں ربوہ

ہر اک زمیں کا کنارہ ہے تیرا حلقہ بگوش
کمندیں پہنچی ہیں تیری کہاں کہاں ربوہ

(روزنامہ الفضل مورخہ 15/اپریل 1949ء)

○

ابنِ مسیحا کی دعائیں

دلچسپ و دلآویز ہیں ربوہ کی فضائیں
کوہسار کے نظارے، بیاباں کی ہوائیں

ہر ذرّۂ وادی کے رگ و پے میں بسی ہیں
مانندِ شمیم، ابنِ مسیحؑا کی دُعائیں

یارب یہ ترے بندے جو سجدے میں گرے ہیں
سجدے میں گرے ہیں کہ تری رحمتیں آئیں

تسبیح ہو، تمجید ہو، تقدیس ہو تیری
بس اس کے سوا کچھ نہ سنیں، کچھ نہ سنائیں

وہ ہاتھ مبارک ہے کہ جس ہاتھ نے تنویرؔ
پھر مرکزِ اسلام کی رکھ دی ہیں بِنائیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 22/اپریل 1949ء)

○

زندگی

کھو دیا تھا اہل بینش نے سراغِ زندگی
رکھ دیا تو نے سرِجادہ چراغِ زندگی

تھا قنوطیت کے دشتِ خار میں اسلام گم
تو نے سینچا ہے رجائیت کا باغِ زندگی

یاس کا پیکر بنے تھے ساقیانِ بزمِ جم
تھا مئے امید سے خالی ایاغِ زندگی

رُوح مُردہ، قلب افسردہ شکستہ حوصلہ
زندگی تھی بندۂ مومن کی داغِ زندگی

ہے مسیحا کی صدا تنویرؔ وہ جس نے کہ پھر
کوتہ ارمانوں کو بخشا ہے فراغِ زندگی

(روزنامہ الفضل مورخہ 6 مئی 1949ء)

ہم اپنے وطن سے دُور ہیں

دیکھ کر تجھ کو ہلالِ عید سب مسرور ہیں
پارسا بھی اس مقدس جام سے مخمور ہیں

نور کی اک منحنی سی ہے افق پر تُو لکیر
مومنوں کے دل مگر سینوں میں کوہِ نور ہیں

عرش سے لایا ہے تحفہ عید کا ان کیلئے
کیا ہوا اہلِ خشوع و عجز گر مغرور ہیں

قادیاں پر بھی ہوا ہوگا یونہی جلوہ فگن
کیونکہ تُو آزاد ہے، افسوس ہم مجبور ہیں

تُو خوشی لایا ہے بیشک، شکریہ؟ صد شکریہ!
پر خوشی کیسی، کہ ہم اپنے وطن سے دور ہیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 30/جولائی 1949ء)

مسیحائے زماںؑ کی یاد میں

جس نے مُردوں کو کیا زندہ فنا کیونکر ہؤا
پہلے تو زندہ تھا موت آنے سے زندہ تر ہؤا

بندۂ حق کیلئے کیا یہ جہاں کیا وہ جہاں
یہ بھی اس کا گھر تھا اپنا وہ بھی اپنا گھر ہؤا

ذرّہ ذرّہ ہے کہ جب تک ہیں بہم نا آشنا
جب ہوئے ہمدوش ، کوئی گل، کوئی گوہر ہؤا

جو نظر آیا تھا پہلے ایک مدھم سی لکیر
بڑھتے بڑھتے وہ ہلال اک نور کا پیکر ہؤا

جُز مسیحائے زماں پھر اور ہوسکتا ہے کون
ہر نفس تنویرؔ جس کا زندگی پرور ہؤا

(روزنامہ الفضل مورخہ 27 مئی 1949ء)

قطعات

(۱)

اس عہد کی تہذیب تمام اہرمنی[1] ہے
ہشیار مسافر! یہ مقام اہرمنی ہے

اس باغ میں اُڑ دیکھ کے اے طائر قدسی
غنچہ و صبا، دانہ و دام، اہرمنی ہے

(۲)

میری دُنیائے محبت میں تجلی کر دے
مجھ میں پھر ازسرِ نو تُو مجھے پیدا کردے

آبلے توڑ کے گرما دے مرے دل میں لہو
دانہ دانہ کو نچوڑ اتنا کہ صہبا کردے

---

[1] شیطانی

(۳)

عِلمِ حق اے شیخ پابندِ زباں دانی نہیں
ساری انشاء ہیچ ہے گر فضلِ سبحانی نہیں

یہ ترے قاموس کے طوفان ہیں بے فائدہ
چشمۂ دل میں تیرے گر عرش کا پانی نہیں

تڑپتا ہے جنوں رگ رگ میں، یارب اذن فرما دے
مجھے بھی کوئی لیلیٰ دے، مجھے بھی کوئی صحرا دے

پکڑ کر دل کو ساحل کی طرح بیٹھا رہوں کب تک
مجھے بھی صورتِ موجِ تپاں دریا میں تڑپا دے

(روزنامہ الفضل مورخہ 21/جولائی1949ء)

شیطان کی بستی

بڑی نیکی جہاں ہے خدا پرستی
بڑی لعنت جہاں ہے خود پرستی

جہاں ہے بادۂ نخوت کی مستی
جہاں ہر چیز سے عزت ہے ہستی

وہیں ہے بس وہیں شیطان کی بستی
وہاں خطرے میں ہے انساں کی ہستی

جہاں سونے سے تُلتی ہے محبت
جہاں ہے حسن ایک مالی تجارت

جہاں معصومیت دانش شرافت
ہر اک شے مول لے سکتی ہے دولت

وہیں ہے بس وہیں شیطان کی بستی
وہاں خطرے میں ہے انساں کی ہستی

(روزنامہ الفضل مورخہ 3/اگست 1949ء)

پاداشِ عمل

اک روز پشیمان تو ہونا ہی پڑے گا
کیا ہنستے ہو آخر تمہیں رونا ہی پڑے گا

دانہ ہے عمل مزرعِ عقبیٰ ہے یہ دنیا
ہے آرزوئے فصل تو بونا ہی پڑے گا

ہے خون شہیدوں کا جو دامن پہ تمہارے
تلخابۂ گریہ سے یہ دھونا ہی پڑے گا

بہتان نہ پاکوں پہ لگاؤ ذرا سوچو
اک روز تمہیں قبر میں سونا ہی پڑے گا

ہے ہوش جو محبوب تو میخانہ میں مت آ
تنویر یہاں ہوش تو کھونا ہی پڑے گا

(روزنامہ الفضل 1949ء)

رہبر تیرا محمد رہنما فرقان ہو

قوتِ بازوئے ہمت، قوت ایمان ہو
ملک پاکستان ہے تو دل بھی پاکستان ہو

راستہ دشوار، نو آموز تُو، کیاخوف جب
راہبر تیرا محمدؐ رہنما فرقان ہو

ہاتھ دے دے تُو ذرا اپنا خدا کے ہاتھ میں
پھر چلا چل بے خطر، آندھی ہو یا طوفان ہو

مال و دولت ہیچ ہے اور جان بھی ناچیز ہے
اس کی خاطر سب لٹا دے مال ہو یا جان ہو

ہو ممالک میں تجھے ممتاز اک حاصل مقام
مجلسِ اقوام میں تری نرالی شان ہو

مشرق و مغرب میں ہو انسانیت بیدار پھر
کوئی احمر ہو، نہ اسود ہو، فقط انسان ہو

بحر و بر میں کوہ و صحرا میں، دیارِ امصار میں
تیری سانسوں سے پریشاں حُسن اور احسان ہو

عصمت و عفت کی حوریں ہوں ترے گھر میں مکیں
جنت الفردوس کا رضواں ترا دربان ہو

تھرتھراتی ہوں نظر میں لا الٰہ کی بجلیاں
اہلِ پاکستان کی تنویرؔ یہ پہچان ہو

(روزنامہ الفضل مورخہ 14/اگست 1949ء)

○

اخلاص کے بغیر ہیں جوش و خروش ہیچ

تم روٹھ جاؤ گے تو ہمارا رہے گا کیا
بے بس سی زندگی کا سہارا رہے گا کیا

آنسو ہوئے ہیں خشک تو تسکینِ دل کہاں
دریا ہی جب نہیں تو کنارہ رہے گا کیا

اخلاص کے بغیر ہیں جوش و خروش ہیچ
جب آگ بُجھ گئی تو شرارہ رہے گا کیا

تنویرؔ قیس سے نہ رہے اس نواح میں
دشتِ جنوں پہ تیرا اجارہ رہے گا کیا

(روزنامہ الفضل مورخہ 18/نومبر 1959ء)

○

ہر روح کی ظلمت دھونا ہے، ہر دل کو فروزاں کرنا ہے

باطل کی ہر اندھی طاقت کو تنویرؔ مسلماں کرنا ہے
ہر روح کی ظلمت دھونا ہے، ہر دل کو فروزاں کرنا ہے

جس سانپ نے انسانیت کو کاٹا ہے وہ زہریلا ہے بہت
اس سانپ کے سر کو کچلنا ہے اس زہر کا درماں کرنا ہے

آج اپنی ہنسی جو اڑاتے ہیں یہ دانشمند ہیں کیا سمجھیں
اک روز بگولہ بن کے انہیں بھی رقصِ بیاباں کرنا ہے

ان سائنس کے متوالوں کے کانوں میں اذانیں دینا ہے
اور فلسفیوں کی انجمنوں میں قرآتِ قرآں کرنا ہے

تنویرؔ نہیں ہے حل کوئی اسلام سے بہتر ، چل کے تجھے
مغرب کے سیاستدانوں کو انگشت بدنداں کرنا ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 20/اگست 1949ء)

فضا میں لرزاں ہماری اذاں اب بھی ہے

مقدسوں کا وطن قادیان اب بھی ہے
خدا کا فضل وکرم پاسبان اب بھی ہے

منارِ مسجدِ اقصیٰ سے روز پانچوں وقت
فضا میں لرزاں ہماری اذان اب بھی ہے

اسی خشوع سے مومن ہیں اب بھی سجدہ ریز
بسا جبینوں سے وہ آستان اب بھی ہے

وہ چشمہ نور کا مسدود ہو نہیں سکتا
ضیا سے اس کی منور جہان اب بھی ہے

بہشتی مقبرہ ہے باغِ جاوداں تنویرؔ
ہر ایک شہید کا قائم نشان اب بھی ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 26/اگست 1949ء)

○

کوئی دن کوچۂ احمد میں رہ کر دلکشا ہوجا

گلستانِ جہاں میں پیروِ بادِ صبا ہوجا
شمیمِ گل سے دامن اپنا بھرلے پھر جدا ہوجا

پھر اُگنے کی تمنا ہے جو تجھ کو کشتِ عالم میں
تو دانہ کی طرح پھر خاک میں مل کر فنا ہوجا

اگر گنجینۂ خوشبوئے الفت ہے ترا سینہ
نسیمِ نازِ جاناں سے مثالِ غنچہ وا ہوجا

فقط بادِ صبا غنچے کھلانا تجھ کو آتا ہے
کوئی دن کوچۂ احمد میں رہ کر دلکشا ہوجا

(روزنامہ الفضل مورخہ 11ر ستمبر 1949ء)

○

مرا سجدہ ہوتو زمین پر، مگر آسماں میں نماز ہو

مرا جسم وقفِ نشیب ہو، میری روح زیبِ فراز ہو
مرا سجدہ ہو تو زمین پر، مگر آسماں میں نماز ہو

مرا خاکیوں میں شمار ہو، مرا قدسیوں میں گزار ہو
جو مرا غرورِ نیاز ہو، مجھے عاجزی پہ جو ناز ہو

کوئی ایسا پاک ہو بوستاں ، نہ ہو جس میں دغدغۂ خزاں
کہ ہر ایک برگِ گیاہ بھی مرے ہاتھ میں مرا ساز ہو

مرا ماہتاب چراغ ہو کہ تکلّفوں سے فراغ ہو
کہیں شاخ رقص طراز ہو کہیں جُو ترانہ نواز ہو

میں چمن میں مرغِ بہار ہوں، میں قفس میں بلبلِ زار ہوں
مرا ساز روح نواز ہو، مرا سوز زہرہ گداز ہو

وہ دے جام ساقیٔ مہرباں، کہ ہو جس میں مستیٔ جاوداں
مجھے بےخودی وہ نصیب ہو، کہ جو زندگی سے دراز ہو

(روزنامہ الفضل مورخہ 9/اپریل 1950ء)

آمدِ دورِ مسیحائے زماں کے ہیں نشاں

رات کو بازوئے تخیل پہ محوِ پرواز
ٹھٹھکا سستانے کو میں برسرِ طوبائے جناں

جم کے بیٹھا ہی تھا دیکھا کہ علی ہجویریؒ
مضطرب صورت صد ولولۂ موجِ تپاں

آکے نزدیک بغلگیر ہوئے اور کہا
کھینچ لایا ہے ادھر مجھ کو ترا جذبِ نہاں

کیسا ہے میرا وطن، کیسے ہیں سُکّانِ زمیں
دردِ دل کا بھی ملا ہے کہ نہیں کچھ درماں

مجھ کو ڈر ہے نہ جل اٹھا ہو کہ کچھ روز ہوئے
کرۂ ارض پہ آیا تھا نظر مجھ کو دھؤاں

میں نے کی عرض کہ مت پوچھئے احوالِ زمیں
شعلۂ فتنہ و دانش ہے جہنم افشاں

یورپ و ایشیا کیا، کیسی نئی، کیسی قدیم
ساری دنیا میں ہے طاغوت فقط رقص کناں

گو خدا کی مجھے قدرت سے تو انکار نہیں
دل مگر چیخ اٹھے ہیں کہ خدا ہے تو کہاں

وہ خدا توبۂ آدمؑ کو کیا جس نے قبول
وہ خدا جس نے زمیں پر اسے دی جائے اماں

وہ خدا نوحؑ کو بخشا تھا سفینہ جس نے
وادئ کوہ و بیاباں میں تھا جس دم طغیاں

وہ خدا جس نے براہیمؑ پہ گلزار کیا
جبکہ تھا شعلۂ نمرود غضب سے لرزاں

جس نے موسیٰؑ کے لئے خشک کیا دریا کو
لاشِ فرعوں کو کیا جس نے کہ عبرت کا نشاں

وہ خدا ، ہاں وہ خدا آج کہاں ہے جس نے
توڑ کے رکھ دی ابوجہل کی نخوت کی کماں

ہے جو موجود خدا کوئی تو کیوں ہے خاموش
ہر جا ابلیس نظر آتا ہے مردِ میداں

بولے ہجویریؒ کہ یہ سادہ مزاجی تیری
عذر معقول ہے، گستاخ ہے گو طرزِ بیاں

یہ جو ہنگامہ نظر آتا ہے تجھ کو ہر سُو
اس میں اک راز خدائی کا ہے گہرا پنہاں

آدمی اپنے تیئں جاننے لگے لگتا ہے خدا
ڈالتا اس پہ ہے جب دامِ تکبر شیطاں

بے خدا ہوتی ہے جس وقت تو بن جاتی ہے
آپ ہی اپنی اجل دانشِ دانشمنداں

خودکشی کرنے پہ آمادہ ہے ساری تہذیب
پر ابھی اس کو نہیں مل سکتی تیغِ براں

جوہری بم میں ہلاکت کا ہے جوہر کافی
اس سے اُمید ہے ہوجائے گی مشکل آساں

یونہی اقوام پہ اقوام فنا ہوتی ہیں
تاکہ پیدا ہو وہ آدم جو ہو عبدِ رحماں

جوشِ خنریز، طلسماتِ دجل، اوجِ صلیب
آمدِ دورِ مسیحائے زماں کے ہیں نشاں

(روزنامہ الفضل مورخہ 22 جون 1950ء)

احتجاج اے احتجاج

کل جو نکلے تھے ستمگر، پھر نکل آئے ہیں آج
کوچہ و بازار میں ہے پھر گلے بازی کا راج

احتجاج اے احتجاج

پھر شریفوں کی اچھالی جارہی ہیں پگڑیاں
مانگتا ہے دیوِ دشنام آدمیت سے خراج

احتجاج اے احتجاج

پھر گزر گاہوں کے سر پر اک قیامت ہے بپا
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے پھر اڑتے ہیں عزت کے زجاج

احتجاج اے احتجاج

(روزنامہ الفضل مورخہ 23 مئی 1950ء)

قادیان کے درویشو!

تمہارا ناز بجا، قادیاں کے درویشو
کہ تم سے خوش ہے خدا، قادیاں کے درویشو

دیار یار کی گلیاں نصیب ہیں تم کو
تمہیں یہ قرب ملا، قادیاں کے درویشو

سحر کو سنتے ہو منارۂ مسیحؑا سے
اذاں کی مست نوا، قادیاں کے درویشو

وہ مقبرہ کہ بہشتی کہا خدا نے جسے
وہ خواب گاہِ وفا قادیاں کے درویشو

یہاں مسیحؑ وہ سوتا ہے جس نے مُردوں سے
مجھے بھی زندہ کیا، قادیاں کے درویشو

اگرچہ دُور ہے تنویرؔ لیکن اس کے طفیل
نہیں ہے تم سے جدا، قادیاں کے درویشو

نماز پڑھتے ہو جب مسجدِ مبارک میں
مرے لئے بھی دعا، قادیاں کے درویشو

(روزنامہ الفضل مورخہ 12 دسمبر 1950ء)

○

چمکے گا آفتابِ صداقت بہ آب وتاب

بہتان باندھتے ہو غریبوں پہ بے حساب
آخر خدا کے سامنے کیا دو گے تم جواب؟

کب تک بھلا چلے گی تجارت فریب کی؟
کب تک رہے گا گرم یہ بازارِ انتخاب؟

کب تک گلے کے زور سے پالو گے پیٹ تم
کسبِ حلال و پاک سے کب تک یہ اجتناب؟

کام اُس گھڑی یہ جوشِ خطابت نہ آئے گا
بجھ جائے گا گلے میں وہاں شعلۂ خطاب

کچھ اُس گھڑی بنے گی نہ ہرگز بنائے بات
دینا پڑے گا حشر میں ہر لفظ کا حساب

تم لاکھ افترا کے اڑاتے پھرو غبار
چمکے گا آفتابِ صداقت بہ آب و تاب

تنویرؔ ان کے واسطے حق سے دعا کرو
دنیا بھی جن کی تنگ ہے، عقبیٰ بھی ہے خراب

(روزنامہ الفضل دسمبر 1950ء)

○

اُٹھو! مرا قرآن زمانے کو سُنا دو

اُٹھو! مرا قرآن زمانے کو سنا دو
ہر باغ میں، ہر راگ میں، یہ زمزمہ گا دو

کافی مرے بندوں کیلئے ہے یہی منشور
منشور جو بندوں نے بنائے ہیں جلا دو

اٹھے ہیں انا الحکم کا جو لے کے سہارا
اللہ کا تخت ان کے دلوں میں بھی بچھا دو

وہ آپ بپا کرتا ہے خود اپنی حکومت
اے فتنہ گرو، فتنوں میں فتنے نہ جگادو

جس علم سے تنویرؔ خدا مل نہیں سکتا
اُس علم کے سب نقش دماغوں سے مٹا دو

(روزنامہ الفضل مورخہ 7 فروری 1951ء)

ہم ہیں دیوانے تو دیوانے سہی

ہم ہیں دیوانے تو دیوانے سہی
تم زمانے بھر کے فرزانے سہی

ہوتے باہم ہی یگانے کاش تم
ہم ہیں بیگانے تو بیگانے سہی

تُو ہی لے لے شیخ یہ سارا حرم
اپنے حصہ میں صنم خانے سہی

آنسوؤں کی گر نہیں مالا تو کیا؟
سبحّہ میں الماس کے دانے سہی

اب بھی کرتا ہے وہ بندوں سے کلام
شیخ کے نزدیک افسانے سہی

ہوں مبارک تم کو شہر و بام و در
اور ہمیں ربوہ کے ویرانے سہی

ہے بہت جامِ تہی تنویرؔ کو
غیر کے لبریز پیمانے سہی

(روزنامہ الفضل مورخہ 15 مئی 1951ء)

○

ہم اُس کو حقیقت جانتے ہیں، تو جس کو مجاز سمجھتا ہے

ہے ہم پر فاش از سر تا پا تو جس کو راز سمجھتا ہے
ہم اُس کو حقیقت جانتے ہیں ، تُو جس کو مجاز سمجھتا ہے

سب بال و پر تو نوچ لئے ہیں استکبار کے ناخن نے
اے مرغِ اسیر حرص و ہوا، تُو کیا پرواز سمجھتا ہے

امروز کی پستی کا گھاؤ کیا دوش کی رفعت بھر دے گی
وہ زاغ نہیں، کرگس بھی نہیں ، جس کو شہباز سمجھتا ہے

جب گیت وفا کا چھوڑ دیا اور دل کے تار کو توڑ دیا
بس ایک کھڑاک سا باقی ہے ، تُو ابتک ساز سمجھتا ہے

تنویرؔ بڑا ہی ناداں ہے کیا اُس کو خوف جہنم کا
جو اُن کی نگاہ چشم آلود کو بھی اِک ناز سمجھتا ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 13 نومبر 1959ء)

○

زندگی کوثر و تسنیم سے دھولے، دھولے

ایک ہے رقص کناں ناز سے ہولے ہولے
سر سرائے ہیں سروٹ اور ممولے بولے

بھاگ اٹھے جھاڑیوں کی سمت نکل کر بِل سے
گردنیں موڑ کے تکتے ہوئے دونوں نیولے

کھاد کے ڈھیر پہ ہیں ''شارکیں'' گتھم گتھا
کوؤں کے جھنڈ ہیں پرواز میں جیسے کولے

لڑکھڑاتے ہوئے آتے ہیں ہوا کے جھونکے
ٹہنیاں بنتی ہیں یا رقص میں ہیں ہنڈولے

آشیانوں سے نکل آئے پرندے باہر
یہ اُڑا، اس نے ہیں اڑنے کیلئے پر تولے

قُمریاں محوِ اذاں کھمبے پر اور تاروں پر
بیٹھے تلیئر ہیں صفیں باندھ کے بھولے بھولے

چرخ پر لعل بکھیرے ہیں شفق نے ہر سو
اور زمیں نے ہیں زمرّد کے خزانے کھولے

پَوپھٹی اور ادھر سجدۂ شکرانہ میں
بید مجنوں کی امامت میں جُھکے ہرنولے

جابجا بکھرے ہوئے ہیں جو برستے پہ صدف
گھاس پر اوس کی حوروں نے ہیں موتی رولے

بگلا یوں بیٹھا ہے جیسے کہ سمادھی میں رشی
جس کی ناؤ نے نہیں کھائے کبھی ہچکولے

لہروں کو چُومتی ہیں صبح کی پہلی کرنیں
خضر نے زر کے ورق آبِ بقا میں گھولے

غیب سے آتی ہے تنویرؔ یہ دل میں آواز
زندگی کوثر و تسنیم سے دھولے، دھولے

(روزنامہ الفضل 22 اکتوبر 1969ء)

○

نہ یہ گوہروں کی دُنیا

نہ یہ گوہروں کی دُنیا نہ یہ اختروں کی دُنیا
مرے دل کے ٹکڑے اڑ کر بنی آنسوؤں کی دنیا

مجھے حکم دیدیا ہے کہ اسے حرم بنا دے
مرے چار سو بچھا کر یہ صنم کدوں کی دُنیا

نہ یہاں ہوا زمیں کی نہ فضا ہے آسماں کی
کوئی اور ہی جہاں ہے ترے بےخودوں کی دنیا

نہ میں دل کا تار چھیڑوں نہ میں غم کا گیت گاؤں
مرے تیرے درمیاں گر نہ ہو منظروں کی دنیا

نسیم ہے کہ ندّی ہے کوئی لہو کی جاری
گل و لالہ وسمن ہیں کہ جراحتوں کی دنیا

(روزنامہ الفضل مورخہ 3 ستمبر 1959ء)

○

غفلت کے نشے میں سو گیا گُل
بُلبل نے پکارا ''لو گیا گُل''
گِرنے لگا برگ برگ ہو کر
چلتی تھی نسیم مرگ مرگ ہوکر
بُجھنے لگا جب چراغ اس کا
جب ٹوٹ گیا ایاغ اس کا
مٹنے لگا سبز باغ اس کا
مٹی میں مِلا دماغ اس کا
بولا ''گر اختیار ہوتا
میں پھُول نہ ہوتا، خار ہوتا''
تھے آس پاس جتنے غنچے
سن کر لگے تالیاں بجانے
ہنس ہنس کے اڑا رہے تھے ٹھٹھے
''قربان فلاسفیٔ گُل کے''
حیران ہے خار، چُپ کھڑا ہے
تقدیر کا مُنہ تک رہا ہے

(روزنامہ الفضل 30 اگست 1959ء)

اگر تُو موج ہے، دم بھر کہیں قرار نہ کر

میں اس سے کہتا ہوں دل کو نظر سے پار نہ کر
وہ مجھ سے کہتا ہے یہ راز آشکار نہ کر

گلوں کے ساتھ جو مل کر تُو ہنس نہیں سکتا
چمن کو چھوڑ دے، رسوائی بہار نہ کر

ملے جو دُرد بھی ساقی کے ہاتھ سے پی لے
تو مئے پرست ہے، جھوٹی بھی ہو تو عار نہ کر

اگر تو گُل نہیں، دامن نہ چاک کر اپنا
اگر تو لالہ نہیں، دل کو داغدار نہ کر

اگر کنارہ ہے، تل بھر نہ اپنی جا سے سرک
اگر تو موج ہے، دم بھر کہیں قرار نہ کر

شراب خانے میں فتنے اٹھا نہ اے واعظ
تُو اپنی خیر منا، ہم کو ہوشیار نہ کر

(روزنامہ الفضل مورخہ 9/اگست 1959ء)

خاروگُل

غنچہ کو صبا نے گدگدایا
اس نے جو تڑپ کے سر اٹھایا
ہر سمت جہانِ ناز پایا
کچھ ایسی ادا سے مُسکرایا
مُنہ چُوم لیا کرن نے اس کا
شبنم کا لبوں پہ شہد ٹپکا
نخوت سے نگاہ جب اٹھائی
پہلو میں عجیب چیز پائی
اِک خار دیا اُسے دکھائی
کہنے لگا خار ''آہ بھائی''
''نفرت سے نہ تک کسی کو پیارے
اک خاک سے ہم اٹھے ہیں سارے''
غنچہ کِھلا کھل کے ہوگیا گُل
اور حُسن میں اپنے کھو گیا گُل

○

یہ محبت کا راز ہے

سوز ہے دل کہ ساز ہے مت پوچھ
یہ محبت کا راز ہے مت پوچھ

نوحۂ دلنواز میں میرے
کون نغمہ طراز ہے مت پوچھ

میرے مرثیۂ دما دم میں
کس کی آواز ناز ہے مت پوچھ

دم میں جب تک کہ دم ہے چلتا جا
کتنی منزل دراز ہے مت پوچھ

رقص میں کہکشاں ہے کیوں تنویرؔ
کیوں قمر برق تاز ہے مت پوچھ

(روزنامہ الفضل مورخہ 26 مارچ 1959ء)

اُس دیس کی آوازیں

راحت سے بہت دُور بہت غم سے پرے ہے
منزل میری فردوس و جہنم سے پرے ہے

ہے یادمیں میری مرا اک ایسا وطن بھی
جودام طلسماتِ دو عالم سے پرے ہے

مستی ہے مگر جانیئے مستی ہے کہاں کی
ساقی کی نظر میکدۂ جم سے پرے ہے

اک دیس سے آتی ہے مرے کان میں آواز
جو حدِّ نگاہِ بنی آدم سے پرے ہے

کچھ بھی نہیں، شبنم ہو کہ گوہر کہ ستارہ
جو قطرہ مرے دیدۂ پُرنم سے پرے ہے

تنویرؔ کو نزدیک سے دیکھا ہے بہت شیخ
لیکن وہ بہت دُوربہت ہم سے پرے ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 26مارچ1959ء)

مسیحِ وقت آ گیا

مسیح وقت آ گیا چمن چمن پکار دو
خزاں زدہ دلوں کو پھر نویدِ نو بہار دو

نئے زمین و آسماں بنا ہے پھر نیا جہاں
نجومِ و ماہ و مہر کو جدید اضطرار دو

اٹھو پہن لو زندگی نو بہ نو کے پیرہن
تنوں سے کُہنہ زندگی کے چیتھڑے اتار دو

چھڑک دو بوستاں پہ پھر زلالِ چشمۂ بقاء
کلی کلی سنوار دو، گلوں کو پھر نکھار دو

دلوں سے توڑ دو صنم پرستیوں کی بندھنیں
ہوا و حرص کا جو مارِ آستیں ہے، مار دو

(روزنامہ الفضل مورخہ 2 اگست 1959ء)

کشتی نوح تری چلتی ہے طوفانوں میں

(22مارچ کو جلسہ یوم مسیح موعودؑ میں پڑھی گئی)

وقت نے دی ہے شہادت کہ مسیحا تُو ہے
مردے بھی اٹھے ترے دم سے وہ زندہ تُو ہے

باغِ اسلام میں پھر عشق کی کلیاں پھوٹیں
قتل خنزیر ہوئے اور صلیبیں ٹوٹیں

خوابِ غفلت میں جو صدیوں سے پڑے تھے، جاگے
باطل و شرک کے عفریت و شیاطین بھاگے

تیرے ہاتھوں میں محمدؐ کا جو اب ہے جھنڈا
ساری دنیا کے کناروں پہ نصب ہے جھنڈا

تو نے قرآں کے دلائل کے وہ نیزے مارے
دین پسپا ہوئے اور مغربی فلسفے ہارے

تیرے دیوانوں کے ہنگامے ہیں بُت خانوں میں
کشتیٔ نوح تری چلتی ہے طوفانوں میں

مرگ کے منہ سے چھڑالائی ہے تقدیم مجھے
جادواں زندگی بخشی گئی تنویرؔ مجھے

(روزنامہ الفضل مورخہ 26 مارچ 1959ء)

○

ابراھیمؑ اٹھتا ہے آتش خانۂ نمرود سے

درہم و برہم کبھی ہوتا ہے جب نظمِ جہاں
پھر نئے تعمیر ہوتے ہیں زمین و آسماں

زلزلے اس واسطے آتے ہیں موجودات میں
مضطرب ہے چشمۂ آب بقا ظلمات میں

عذر ہے غرقابیٔ فرعون موسیٰؑ کے لئے
ابراہیمؑ اٹھتا ہے آتش خانۂ نمرود سے

ہوتا ہے پیدا جہاں میں صاحب لولاکؐ جب
مٹتے ہیں لاکھوں ابوجہل اور کروڑوں بولہب

حاملِ بارِ امانت ہے تو پتلا خاک کا
پر محافظ ہے خدا اپنے کلام پاک کا

جب نگاہوں سے ذرا چھپتے ہیں نورانی اصول
عرش سے ہوتا ہے پھر روح و ملائک کا نزول

ابر کے پردے میں جب آتا ہے خورشیدِ ہدیٰ
بھولنے لگتا ہےجب انسان اپنا مدّعا

(روزنامہ الفضل مورخہ 1959ء)

○

جو پھول چنا میں نے گلستاں میں نہیں ہے

جو پھول چنا میں نے گلستاں میں نہیں ہے
دل میں مرے پر مرے داماں میں نہیں ہے

اے چارہ گرو مجھ کو یہ درماں نہیں درکار
اِک ٹیس اگر درد کی درماں میں نہیں ہے

کیا فائدہ گر رقص میں آتے ہیں بگولے
گر قیس ز خود رفتہ بیاباں میں نہیں ہے

وہ دردِ محبت کا مزہ پا نہیں سکتا
جو سلسلۂ مہدیِٔ دوراں میں نہیں ہے

جو نور تہجد کی دعاؤں میں ہے تنویر
مہتاب کے رخسارۂ تاباں میں نہیں ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 8 مارچ 1959ء)

○

خاص تعمیرِ خدا دل کا عبادت خانہ

کیا بلائے انہیں گھر اپنے کوئی دیوانہ
جس کا صحرا کے بگولوں میں ہے عشرت خانہ

دیکھتے کیا ہو عمل نامہ، اُدھر بھی دیکھو
ثبت ہے لوحِ مقدّر پہ یہی افسانہ

مسجد و دیر کے ہیں شیخ و برہمن معمار
خاص تعمیرِ خدا دل کا عبادت خانہ

میرے لب پر بھی ٹپک جاتا ہے قطرے قطرے
گر انہیں ملتی ہے بے حدّوبلا پیمانہ

فرصتِ نغمہ کہاں ان کو چمن میں تنویرؔ
ڈھونڈتی پھرتی ہیں جو بلبلیں آب و دانہ

(روزنامہ الفضل مورخہ 20 جنوری 1959ء)

○

○

یہ دور ہوا ختم نیا اور چلے گا
اے بادہ کشو ٹھہرو! ابھی دَور چلے گا

پھل شاخ سے جھڑتے ہیں تو لگ جاتے ہیں پھل اور
اُجڑے ہوئے کھنڈروں میں بپا ہوں گے محل اور

مشرق سے کبھی اٹھتی ہے مغرب سے کبھی موج
ہستی کی یہ بستی کہیں پستی ہے کہیں موج

یوروپ میں جو چلتی ہے یہ آندھی ہے ہوس کی
تنویر ہے فریاد اسیرانِ قفس کی

(روزنامہ الفضل یکم فروری 1959ء)

○

فرشتے

پھر کان میں اک شورِ فغاں آتا ہے یارب
پھر کرّۂ ارضی سے دھوٗاں آتا ہے یارب

کہتے ہیں کہ افرنگ کا ہنگامہ اٹھا ہے
جس سے بڑا آشوب عناصر میں پڑا ہے

کہتے ہیں کہ کچھ غرب سے چلتی ہیں ہوائیں
تا عرش ہوئی جاتی ہیں بے تاب فضائیں

کیا کہتے نہ تھے ہم کہ بڑا فتنہ ہے آدم
اب دیکھ لیا تو نے بھی کیا فتنہ ہے آدم

کس قوم سے آباد ہے دنیا کی زمیں یہ
جو ہم کو دکھایا تھا وہ آدم تو نہیں یہ

کیا خطۂ مغرب کا کوئی اور خدا ہے
کیا یہ کوئی آدم ترے آدم سے جدا ہے

○

باری تعالیٰ

اے میرے فرشتو! آدم تو وہی ہے
دریا تو پُرانا ہے، فقط موج نئی ہے

اک جھاگ سی اُٹھی ہے ہوُا کچھ بھی نہیں ہے
اک سحرِ طرازی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

بے اِذن کوئی عرش تلک آ نہیں سکتا
نزدیک وہ مردودِ فلک آ نہیں سکتا

ہے عالمِ قدّوس کو کیا خطرۂ ابلیس
اس موج کو چھو سکتا نہیں قطرۂ ابلیس

○

○

رنگ آج ستم لایا ہے، یہ خون نہیں ہے
آزار فقط ہیضہ و طاعون نہیں ہے

آدم پہ گو ابلیس کا حملہ تھا بڑا سخت
پر کھوکھلا پن اپنا نہیں جانتا کمبخت

اس شعلۂ سرکش کا بھڑکنا ہے ضروری
کر دیتی ہے ناری کی تپش خاک کو نوری

تکمیل ہے آدم کی اسی بات میں مضمر
ہوتی ہے تجلّائے سحر رات میں مضمر

بہکانے سے اس کے جو بہک جاتی ہیں اقوام
اعمال کی آپ اپنے سزا پاتی ہیں اقوام

تلوار جو چلتی ہے غریبوں کے لہو پر
چل جاتی ہے انجام میں خود اپنے گلو پر

اک مو قلمِ نقش گرِ رنگ ہے ابلیس
میزانِ بقا کیلئے پاسنگ ہے ابلیس

ہر موج ہے نوحہ گرِ طغیانی تہذیب
آپ اپنا خسارہ ہے یہ ارزانی تہذیب

ہم سجدہ اسے کرتے کبھی ہو نہیں سکتا
سر اُس کیلئے دھرتے کبھی ہو نہیں سکتا

تھرّائی ہوئی حوریں ہیں لرزاں ہیں فرشتے
جل اُٹھنے کو ہیں لوحِ مقدس کے نوشتے

ایک خون کا سیلاب بڑھا آتا ہے وہ دیکھ!
پھر عرش پہ ابلیس چڑھا آتا ہے وہ دیکھ!

○

زمین قادیان یاد آ رہی ہے

گھٹا ربوہ پہ گِھر کر چھا رہی ہے
چھما چھم رحمتیں برسا رہی ہے

یہ مدّھم گہرا فردوسی ترنم
کہیں حوروں کی ٹولی گا رہی ہے

جگر میں گھُل رہا ہے آبِ حیواں
رگوں کو زندگی مچلا رہی ہے

ہوا میں ہے دمِ عیسیٰ کا انداز
دعائیں کوہ مری[1] سے لا رہی ہے

وہی برسات ہے ربوہ میں تنویرؔ
زمینِ قادیان یاد آ رہی ہے

○

[1] ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مری میں قیام فرما تھے۔

محفل میں پھر چراغ محبت جلا تو ہے

بیگانہ گر زمانہ ہے اپنا خدا تو ہے
گر آشنا نہیں کوئی، اِک آشنا تو ہے

پروانے کیوں نہ رقص میں آ آ کے ہوں فدا
محفل میں پھر چراغ محبت جلا تو ہے

ہم کس طرح کہیں کہ ہمیں کچھ نہیں ملا
محمود سا عزیم خلیفہ مِلا تو ہے

ناحق کے پاس اگرچہ نہیں ہے کوئی دلیل
دشنام تو ہے سخرہ تو ہے افترا تو ہے

مانا کہ میرا بازوئے ہمت ہے ناتواں
تنویرؔ پر قوی مرا دستِ دُعا تو ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 6 جون 1957ء)

دلوں کو پھر ہوش آرہا ہے

سروں سے سودا نکل رہا ہے دلوں کو پھر ہوش آرہا ہے
اُتر گیا جسم کا بخار اور روح کو جوش آرہا ہے

گیا تکلّف کا دَورِ کُلفت، سنو تو اے ساقیانِ فطرت
مَے کُہن لاؤ انجمن میں، پرانا مے نوش آرہا ہے

غضب کا پایا ہے چُلبلا دل، اٹھائے اتنا نہ غُلغلہ دل
تو جس کے لانے پہ ہے تُلا دل، وہ وقت خاموش آرہا ہے

خیال کی برق ہے درخشاں ، ہوئے ہیں چودہ طبق فروزاں
کہ پھر خانہ ہائے دِل میں فردا، بشوکتِ دوش آرہا ہے

چراغِ مغرب ہوا فسردہ کہ زندہ پھر ہوگیا ہے مُردہ
لباسِ نَو میں جہاں کی محفل میں پھر کفن پوش آرہا ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 24 دسمبر..19)

روک دو!

اللہ کا ذکر کرتے ہیں مرزائی، روک دو!
دم مصطفیٰؐ کا بھرتے ہیں مرزائی، روک دو!

ہیں امن خواہ کرتے ہیں آئیں کا احترام
جرم وگنہ سے ڈرتے ہیں مرزائی روک دو

ہر اک زباں میں کر دیئے قرآں کے ترجمے
آیاتِ حق پہ مرتے ہیں مرزائی روک دو!

مغرب کی وادیوں میں بناتے ہیں مسجدیں
بنیادِ عشق دھرتے ہیں مرزائی روک دو!

فُزنا و ربّ الکعبہ کے نعرے لگا دیئے
حق سے نہیں مکرتے ہیں مرزائی، روک دو!

جتنا انہیں دباتے ہیں تنویرؔ اہلِ جُور
اتنا ہی اور ابھرتے ہیں مرزائی، روک دو!

(روزنامہ الفضل مورخہ 2 جولائی 1957ء)

کوئی سنے نہ سنے

تو اپنا گیت تو گا دے، کوئی سنے نہ سنے
چمن چمن کو سنا دے کوئی سنے نہ سنے

فضا اُداس بڑی ہے نگار خانوں کی
تو حق کا تار بجا دے کوئی سنے نہ سنے

بنا ہوا ہے جہاں ایک شہرِ خاموشاں
تو شورِ حشر مچا دے کوئی سنے نہ سنے

سکوت کوہ وبیاباں پہ ہو رہا ہے محیط
تو دل کی ضرب لگا دے، کوئی سنے نہ سنے

شمیم و رنگ ہیں تنویرؔ دو گھڑی کا غرور
کلی کلی کو جتا دے، کوئی سنے نہ سنے

(روزنامہ الفضل مورخہ 10 مارچ 1957ء)

اے جانِ جہانِ ربوہ

مہ و خورشید سے اُونچا ہے نشانِ ربوہ
عرش کو چھوتی ہے جا جا کے اذانِ ربوہ
خاکداں والے نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں بے شک
آسماں والے سمجھتے ہیں زبانِ ربوہ
جان کے نور سے ہے جسم کی تابانی حسن
جسم ربوہ ہے تو محمودؔ ہے جانِ ربوہ
رونقِ خمکدہ ربوہ ہے اس کے دم سے
ہے جوانوں کا جواں پیرِ مغانِ ربوہ
دیر سے در پہ پڑا ہے ترے تنویرؔ حزیں
اِک نظر اس پہ بھی اے جانِ جہانِ ربوہ

(روزنامہ الفضل مورخہ 26 دسمبر 1957ء)

○

○

آپ کے دم سے بہار اپنے چمن میں آئے
نام ہو آپ کے کردار سے روشن
حرف اسلاف کی عزت پہ نہ آنے پائے
رائیگاں خون شہیدوں کا نہ جانے پائے

(روزنامہ الفضل مورخہ 24 ستمبر 1957ء)

○

ہم نے بھی خون سے سینچا تھا یہ گلشن

وقت کی وسعتِ فردا سے ابھرنے والو!
ہم تو اس راہ میں لگا دیں گے یہ تن من

پر یہ ممکن ہے خدا کی ہو مشیت ایسے
کہ ہمیں مل نہ سکے گمشدہ خرمن

آپ کے شانوں پہ یہ بار پڑے گا آ کر
آپ نے لینا ہے پھر ہر گل و گلبن

وقت کے ساتھ اسے بھول نہ جانا پیارو!
مسکنِ احمدؐ مرسل ہے نشیمن

قادیاں دارالامان اہلِ تقیٰ کا مامن
حشر تک آپ کا اپنا ہے یہ مامن

فرد کی موت ہے مرکز سے جدا ہو جانا
اپنا گھر اپنا ہے وہ باغ ہو یا بن

تربتیں اپنے شہیدوں کی گواہی دیں گی
ہم نے بھی خون سے سینچا تھا یہ گلشن

○

بچوں سے!

احمدی بچو! رہے تم پہ خدا کا سایہ
قوم کی ننھی تمناؤں جواں ہو جاؤ

زندگی مُردوں میں تقسیم کروگے تم بھی
تم بھی انفاسِ مسیحائے زماں ہو جاؤ

نرم ہو پھول کی پتی سا سلوک آپس میں
سامنے کفر ہو تو سنگِ گراں ہو جاؤ

مرکزِ احمدِ مرسل کو نظر میں رکھنا
گرچہ تم وارثِ اطرافِ جہاں ہو جاؤ

جادہ پیما رہو اس منزلِ دل کی جانب
بے خطر بڑھتے چلو سیلِ رواں ہو جاؤ

نرم ہو جائے گا فولاد تمہاری خاطر
آتشِ عشق بنو، برقِ تپاں ہو جاؤ

اپنے معصوم ارادوں کو مصمّم کرلو
اپنے مقصود کی عظمت کا نشاں ہو جاؤ

قادیاں ورثہ تمہارا ہے تمہیں یاد رہے
خانۂ دل میں معاد اپنا یہ آباد رہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 24 ستمبر 1957ء)

احمدی عورتوں سے!

آپ کی گود میں معصوم ہمکنے والے
ناتوانوں کے سہارے ہوں گے
اک جہاں دیکھے گا ان بچوں کے اخلاق کو جو
احمدی ماؤں کے ہاتھوں نے سنوارے ہوں گے
قوم کا مستقبل آج آپ کی آغوش میں ہے
ایک دن قوم یہی، آپ کے پیارے ہوں گے
اب انہی ہاتھوں میں قوموں کی زمام آئے گی
آپ کی چشمِ وفا نے جو سدھارے ہوں گے
آپ اگر پیدا کریں آج ضرارؓ اور خولہؓ
یہ زمیں کیا ہے، یہ افلاک ہمارے ہوں گے

تربیت گاہوں میں جو آپ کی پروان چڑھیں
ایک دن دین کے گردُوں کے ستارے ہوں گے

آپ کے حسن تدبّر سے وہ دن آئے گا
آپ کے قدموں میں جنت کے نظارے ہوں گے

آپ اسلام کی تنویرؔ میں ڈھل سکتی ہیں
احمدی عورتیں تقدیر بدل سکتی ہیں

○

داؤد جان شہیدؒ

ایک جاں اور بربریت کا ہجوم
اک شعاعِ نور طوفانِ ظلوم

اے ستم آراؤں کی بستی! سنبھل!
تجھ پہ منڈلاتی ہے تقدیر سدُوم

محو "لا اکراہ فی الدین" کا سبق
لیکن ازبر جبر و طغیاں کے علوم

قتلِ انساں خونِ معصومی ہیں کیا
رحمۃ للعالمین کے رسُوم؟

تیری جانبازی کی اے داؤد جانؒ
پڑ گئی ہے عشق کی دُنیا میں دُھوم

ریت ہے تنویرؔ اہلِ عشق کی
زخم کھا کر تیغ کو لیتے ہیں چُوم

(روزنامہ الفضل مورخہ 23 مئی 1956ء)

بدر و حنین حاصلِ کشتِ دُعا ہی ہے

میں اُن کا ہوں جو اُن کا ہے وہ سب مرا ہی ہے
ان کے سوا جو کچھ بھی ہے حرص و ہوا ہی ہے

نادان تجھ کو نور کی پہچان ہی نہیں
ورنہ یہ اک شعاعِ رُخِ مصطفیٰ ہی ہے

حائل اگر نہ ہوں تری کوتہ نگاہیاں
یہ سجدہ و رکوع بھی قبلہ نما ہی ہے

رو کر خدا سے پُوچھ کبھی پچھلی رات کو
بدر و حنین حاصلِ کشتِ دعا ہی ہے

تنویرؔ ''رائے عامہ'' ہے اک بتکدہ بڑا
دستِ خلیل اصل میں دستِ خدا ہی ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 10 مئی 1956ء)

ہماری عید

دُعا ہائے مسیحائے زماں ہے
نزولِ روح ہے پھر آسماں سے
بجا ہے نعرۂ الارض لِلّٰہ
گزر جا لذت کام و زباں سے
خدا کے سامنے گر جا زمیں پر
وگرنہ فائدہ اُونچی اذاں سے؟
خدا کی سلطنت دل میں ہے ناداں
خدا کا حکم نافذ ہے جہاں سے
ہماری عید وابستہ ہے تنویرؔ
اسی کی اک نگاہِ مہرباں سے
مجھے مُردوں سے زندہ کرکے جس نے
نوازا ہے حیاتِ جاوداں سے

(روزنامہ الفضل 11 مئی 1956ء)

○

جاگ!جاگ!!ایشیا!!!

نوعِ آدمی کے اے مولدّ قدیم جاگ!
اے عظیم مسکنِ آدمِ عظیم جاگ!
اے قدیم ایشیا
اے عظیم ایشا
جاگ جاگ ایشا
زرتشتؑ اور کرشنؑ اور محمدؐ اور مسیح ؑ کے
صدق و صلح و امن کے رہنماؤں کے وطن
پارساؤں کے وطن
با خداؤں کے وطن
اے مقدس ایشیا
تو کہ ہے تمدن و معاشرت کا عہد جاگ
تیرا قطرہ قطرہ آبِ زندگی کا شہد، جاگ
پھر تجھے جگائیں گے، دینِ مصطفیٰ ؐ کی پھر لَو تجھے لگائیں گے
ہے خدا کے روبرو یہ ہمارا عہد، جاگ
جاگ! جاگ!! ایشیا!!!

(روزنامہ الفضل مورخہ 2 مئی 1956ء)

دل چیر کر بھی ان کو دکھانے پڑے ہمیں

غیروں ہی کے خدنگ نہ کھانے پڑے ہمیں
اپنوں کے ناز بھی تو اٹھانے پڑے ہمیں

ہے ان میں کیا خدائے محمدؐ کے ماسوا ؟
دل چیر کر بھی ان کو دکھانے پڑے ہمیں

روٹھے رہے وہ گرچہ صفائی کے واسطے
ہر عہد کے بزرگ بلانے پڑے ہمیں

دشواریاں نہ منزلِ اہلِ وفا کی پُوچھ
پلکوں سے سنگِ راہ ہٹانے پڑے ہمیں

تنویرؔ اشک بھی نہ کوئی کاٹ کرسکے
ٹکڑے بھی گو جگر کے ملانے پڑے ہمیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 31 مارچ 1956ء)

کوئے دلدار ہے کوئے ربوہ

دل کھنچے آتے ہیں سُوئے ربوہ
کوئے دلدار ہے کوئے ربوہ

موج اس کی ہے کوئی موجِ طہور
اُتری ہے عرش سے جوئے ربوہ

پھول رحمت کا کھلا ہے بَن میں
روح افروز ہے بُوئے ربوہ

ساغرِ زیست لبالب بھر لو
چھلکا ہے آج سبُوئے ربوہ

جھانکتے نخل ہیں دیواروں سے
رنگ لائی ہے نموئے ربوہ

ہمدم و چارہ گر و بندہ نواز
ملتی ہے آپ سے خُوئے ربوہ

دوست بن جائے گا تنویؔر کبھی
ہے جو نادان عدوئے ربوہ

(روزنامہ الفضل جلسہ سالانہ نمبر۔دسمبر 1955ء)

○

عیدِ قربان ہے پروانوں میں

پھر جلیں شمعیں شبستانوں میں
عید قربان ہے پروانوں میں

پھر ہوا روح و ملائک کا نزول
زندگی جھلکی ہے ایمانوں میں

یہ وہی بادۂ ماضی ہے کہ پھر
چھلکی ہے حال کے پیمانوں میں

اور ہوتی ہے مسیحائی کیا؟
پڑ گئی کھلبلی بے جانوں میں

بانٹتا کون ہے سوغاتِ حرم
آج دُنیا کے صنم خانوں میں؟

فنی تکنیک ہے دینداری بھی
گھِر گیا دین سخن رانوں میں

ناخنِ عقل، جنوں کی گرہیں
لکھو تنویرؔ کو دیوانوں میں

(روزنامہ الفضل مورخہ 19 اگست 1955ء)

○

روحوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں

ہم سے جدا بھی رہ کے وہ ہم سے جدا نہیں
روحوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں

یورپ میں تیرے فیضِ قدم سے کھلا یہ راز
بے دین لاکھ ہو وہ مگر بے خدا نہیں

زیورک میں ہوں کہ ہیگ میں ربوہ ہی میں ہیں آپ
مرکز سے بے نیاز خطِ دائرہ نہیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 2 جولائی 1955ء)

○

قطعہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی صحت کے متعلق خوش کن اطلاع ملنے پر!

علم دین کا تُو نے اُونچا کیا ہے
تُو ہی سیلِ باطل سے زور آزما ہے
محمدؐ کا عاشق مسیحا کا وارث
تو ہی ''کشتیٔ نوحؑ'' کا ناخدا ہے

(روزنامہ الفضل مورخہ 27 ستمبر 1955ء)

عُذرِ سفر ہو تیری علالت خدا کرے

عُذرِ سفر ہو تیری علالت خدا کرے
قوموں کے واسطے ہو یہ رحمت خدا کرے

مادہ پرستیوں نے ہے جن کو سلا دیا
بیدار انہیں کرے تری دعوت خدا کرے

بیمار ان کی رُوح ہے بیمار تو نہیں
حاصل ہو ان کی روح کو صحت خدا کرے

وہ جن کو آج اپنی فراست پہ ناز ہے
مل جائے ان کو دیں کی فراست خدا کرے

جن کو لگا ہے اپنی ہی حکمت سے آج خوف
''خوف خدا'' کی جان لیں حکمت خدا کرے

جو اختلاطِ نفس میں ہیں ڈھونڈتے فرار
پائیں ''غم معاد'' کی لذّت خدا کرے

آنکھوں سے اپنی ابنِ مسیحا کو دیکھ لیں
عالم کو ہو نصیب یہ نعمت خدا کرے

تنویرؔ! پر دُعا ہے دلِ ناصبور کی
حاصل ہو جلد شرفِ زیارت خدا کرے

(روزنامہ الفضل مورخہ 15 اپریل 1955)

○

ہم کو امان وصدق وصفا کا ہے آسرا

ان کو فساد و ظلم و دغا کا ہے آسرا
ہم کو امان و صدق و صفا کا ہے آسرا

مانا جفا و جور میں ہیں طاق وہ بڑے
ہم کو کمالِ صبر و رضا کا ہے آسرا

کھل جائے گا یہ نوح کی کشتی ہے یا نہیں
طوفاں کو لاکھ موجِ بلا کا ہے آسرا

بیٹے کا حلقِ ناز ہے اور باپ کی چھری
دونوں کو کتنا دستِ قضا کا ہے آسرا

دنیا کی طاقتیں ہیں اگرچہ انہیں کے ساتھ
لیکن ہمیں بھی اپنے خدا کا ہے آسرا

اتنا گنہگار ہے پر دل ہے مطمئن
تنویر کو کسی کی دعا کا ہے آسرا

(روزنامہ الفضل مورخہ 13 ستمبر 1952ء)

اعترافِ گناہ

مکر و تزویر و حیلہ سازی ہے
ورنہ شان اس کی بے نیازی ہے

تو خدا سے بھی کھیلتا ہے داؤ
توبہ گویا قمار بازی ہے

کون ہے جو گناہ گار نہیں
اپنا کچھ اتنا اختیار نہیں

اس لئے بے گنہ ہے وہ کہ جسے
اعترافِ گنہ سے عار نہیں

جھوٹ بھی لوگ بول سکتے ہیں
سچ کے موتی بھی رول سکتے ہیں

وہ ترازو کہاں مگر تنویرؔ
جس پہ سچ جھوٹ تول سکتے ہیں

(روزنامہ الفضل مورخہ 10 جولائی 1952ء)

○

جس دم انسانوں میں کچھ انسانیت رہتی نہیں
تن میں جمتا ہے لہو فطرت کی رَو بہتی نہیں
مول لے سکتی ہے دولت جب حیا، عزت خرد
اور ہو جاتا ہے جب دریائے غیرت منجمد
حسن بن جاتا ہے جس دم جنس اک بازار کی
چند پیسے جب دوا ہوں عشق کے آزار کی
بنتے ہیں دَیر و کلیسا جب گناہوں کا نقاب
ڈال لیتا ہے ریا جب خانقاہوں کا نقاب
حق سے جب منہ پھیر کر بدبخت ہو جاتے ہیں دل
پہلوؤں میں سنگ آسا سخت ہو جاتے ہیں دل
جب صداقت کوچ کر جاتی ہے آ جاتا ہے کذب
قالبِ انساں میں سر تا پا سما جاتا ہے کذب
جب بشر کے سر میں چڑھتا ہے گناہوں کا خمار
کھیلتی ہے جب ہوا و حرص روحوں کا شکار
جب نخیل زندگانی کی اُکھڑ جاتی ہے بیخ
آرزو کی بیخ میں شیطاں کی گڑ جاتی ہے میخ

○

ازسرِ نو چھیڑتا ہے پھر وہ سازِ زندگی

ذیل کی نظم حلقہ ادب اسلامی کے 8 فروری 1952ء کے اجلاس میں پڑھی گئی جو مشہور شاعر جگر مراد آبادی کی صدارت میں بعد نماز مغرب ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز مدیر کوثر کے مکان واقعہ پارک لین لاہور میں منعقد ہوا۔

فرق جب آتا ہے نبضِ زیست کی رفتار میں
جب وبائیں رونما ہوتی ہیں آدم زاد میں

آدمی کو سانپ بن کر آدمی ڈستا ہے جب
بھائی بھائی کی تباہی پر کمر کستا ہے جب

حدِّ فطرت سے گزر جاتی ہے جب نوعِ بشر
جیتے جی گویا کہ مرجاتی ہے جب نوعِ بشر

سلب ہو جاتا ہے جب سینوں سے احساسِ حیات
اک کھلونا بن کے رہ جاتی ہے جب یہ کائنات

جب بھٹک کر سیدھی رہ سے چھوٹتے ہی قافلے
قافلہ سالار ہی جب لوٹتے ہیں قافلے

خوں غریبوں کی رگوں سے چوستے ہیں جب غنی
کرتے ہیں جس دم خضر اسکندروں کی رہزنی

خشک ہو جاتے ہیں جب چشمے مروت کے تمام
جب صنم آباد بن جاتا ہے یہ بیت الحرام

○

○

روحِ انسانی میں جب ابلیس کرتا ہے حلول
زیست سے مرجھا کے گر جاتے ہیں جب نیکی کے پھول

الغرض گلشن میں آجاتی ہے جب فصلِ خزاں
ذرّہ ذرّہ جب پکار اٹھتا ہے آخر الاماں

باطنِ فطرت سے اُٹھتی ہے ایک آہِ دردناک
جس سے ہو جاتا ہے پردہ محملِ لیلیٰ کا چاک

یک بیک آتا ہے رحمت کا سمندر جوش میں
زیست جا پڑتی ہے اس کے بیکراں آغوش میں

ہوتا ہے دنیا پہ ارواحِ مقدس کا نزول
بھیجتی ہے اس کی رحمت اک محبت کا رسول

از سرِ نو چھیڑتا ہے پھر وہ سازِ زندگی
پھر سکھاتا ہے وہ انساں کو نمازِ زندگی

پھر دلوں کو شوق کا شعلہ لگا دیتا ہے وہ
موت کی مدہوش نیندوں سے جگا دیتا ہے وہ

پھر دکھاتا ہے وہ گمراہوں کو راہِ مستقیم
سوئے گلشن پھیر دیتا ہے رخِ بادِ نسیم

(روزنامہ الفضل مورخہ 10 فروری 1952ء)

○

ہمیشہ نہ ساغر نہ مل جائیں گے

کھلاتے جو یوں گل پہ گل جائیں گے
گل آخر یہ کانٹوں پہ تل جائیں گے

گرہ پر گرہ ڈالتے جایئے
یہ عقدے کسی روز کھل جائیں گے

سخن سازیوں کے یہ موتی خوش آب
بہت جلد مٹی میں رُل جائیں گے

رہیں گی نہ یہ رنگ رلیاں مدام
ہمیشہ نہ ساغر نہ مل جائیں گے

سکڑ جائیں گی یہ گلا بازیاں
یہ نعرے زبانوں پہ گھل جائیں گے

شہیدوں کے خوں کے وہ دھبے نہیں
جو دھو دھو کے دامن سے دُھل جائیں گے

ہر اک گھر میں پہنچانے تنویرؔ حق
غلامانِ ختم الرسلؐ جائیں گے

(روزنامہ الفضل مورخہ 20 جنوری 1952ء)

○

تنویرؔ ہوں میں اور ہے میرا آفتاب تُو

ہوں میں شمیم اور ہے میرا گلاب تُو
میں زمزمہ ہوں اور مرا ہے رباب تُو

تُو جوئے آب اور ہوں میں موجِ جوئے آب
میرا سکون تُو ہے، مرا پیچ و تاب تُو

بیداریوں کے ہوش میں ہے تُو میرا خیال
اور نیند کے خمار میں ہے میرا خواب تو

حل زندگی کا کرتا رہا عمر بھر سوال
آخر مرے سوال کا نکلا جواب تو

ظلمت کدوں کے واسطے ہوں میں ترا رسول
تنویرؔ ہوں میں اور ہے میرا آفتاب تُو

(روزنامہ الفضل مورخہ 11 دسمبر 1951ء)

○

مہدیٔ تیغ بکف، جانیئے کب آئے گا؟

مہدیٔ تیغ بکف جانیئے کب آئے گا؟
ہر گھڑی کہتے ہیں اب آئے گا اب آئے گا

بم لئے پھرتے ہیں ہاتھوں میں شیاطین زماں
کیا یہ دنیا نہیں جب ہوگی وہ تب آئے گا

اتنا بے باک نہ ہو اتنا غضبناک نہ ہو
تُو ٹلا سکتا ہے؟ جب اس کا غضب آئے گا

کچھ نشاں دیکھ چکے، کچھ ابھی تم دیکھو گے
دیکھتے جاؤ کہ جو وعدہ ہے سب آئے گا

(روزنامہ الفضل مورخہ 18 نومبر 1951ء)

○

زندہ کیا ہے جس کو مسیحِ زماں نے پھر

زندہ کیا ہے جس کو مسیحِ زماں نے پھر
مُردوں میں سانس پھونک دی اس نیم جاں نے پھر

اپنے خزانے کھول دیئے ہیں زمین نے
رحمت کی خوب بارشیں کیں آسماں نے پھر

تھرا رہے ہیں مشرق و مغرب کے بُت کدے
ڈالا ہے آج زلزلہ کس کی اذاں نے پھر

تسبیح خواں ہے ارض و سما کی ہر ایک شے
چھیڑا ہے ساز نغمہ گرِ کن فکاں نے پھر

تنویرؔ گر خدا کی طرف سے نہیں یہ بات
ہنگامہ کردیا ہے کیوں اہل جہاں نے پھر

(روزنامہ الفضل مورخہ 18 نومبر 1951ء)

○

پنپتا ہے جنوں آزاد صحرائی ہواؤں میں
ارے او قیس دیوانے! ترا کیا کام محمل سے؟

اٹھائے ہیں کروڑوں چرخ نے اس رقص سے فتنے
جو بسمل میں ہوا ہے منتقل شمشیرِ قاتل سے

یہ زنجیر طلائی اور امیدِ عدل، اور تجھ سے؟
مرا یہ طنز کہہ دے کوئی جا کر شاہِ عادل سے

مگر تنویر بھی تھا ڈوبنے والے سفینے میں
وگرنہ موج سر اپنا پٹکتی کیوں ہے ساحل سے

(روزنامہ الفضل مورخہ 2 نومبر 1951ء)

○

تڑپ اُٹھتی ہیں موجیں اور بھی ٹکرا کے ساحل سے

سنا ہے میکدے میں میں نے یہ رندانِ کامل سے
نہاں رہتا ہے رازِ ساغرِ مے چشمِ غافل سے

یہ زندانِ بلا بھی کچھ فضا ہے تیری محفل سے
طرب انگیز پیہم گونج، اُٹھتی ہے سلاسل سے

مجھے بھی ہوگئی ہے ناخدا ساحل سے دلچسپی
تڑپ اُٹھتی ہیں موجیں اور بھی ٹکرا کے ساحل سے

طلسمِ آئینہ خانہ تحیر در تحیّر ہے
نگاہیں جب اٹھیں تو بجلیاں اٹھیں مقابل سے

تری چیرہ نگاہی نے انہیں تقسیم کر ڈالا
وگرنہ خار و گل پیدا ہوئے ہیں ایک ہی گل سے

ابھی اٹھا نہیں منزل کی جانب اک قدم میرا
خضر کہتا ہے تُو آگے نکل جاتا ہے منزل سے

ترا ہی ہاتھ ہے غافل جو پھیلا ہے ترے آگے
طلب کرتا ہے تو ہی عاجزی کی بھیک سائل سے

○

آج میں چھیڑتا ہوں زمزمۂ بستانی

اب نہیں دہر میں گو رسمِ قصیدہ خوانی
بجھ گئی شمعِ شبستانِ خمِ خاقانی

تیرا ماحول ہے پر اتنا قصیدہ پرور
رسمِ حاضر کا میں رہ سکتا نہیں زندانی

میں کہ آوارہ ترنم تھا بیابانوں میں
آج میں چھیڑتا ہوں زمزمۂ بستانی

قربتِ گل میں کہ ہے مرکزِ رقصِ نکہت
بلبل زار کو لازم ہے جگر افشانی

توڑ کر رکھتی ہے جو تار ربابِ دل کے
زمزمہ گر کی ہوتی ہے نوا وجدانی

چشمِ موسیٰؑ کی پڑے ضرب تو جاگ اٹھتی ہے
سینۂ طور میں خوابیدہ ضیا سامانی

عشق نے کردیا پرویز کو زندہ ورنہ
روکشِ تیشۂ فرہاد نہ تھی ساسانی

ہو نہیں سکتی چمن زار میں تکمیلِ بہار
یاسمینی کے اگر ساتھ نہ ہو ریحانی

ہوگیا خون سفید ارض کی شریانوں کا
خاک ہے شعلہ فشاں اور ہوا طوفانی

اس تگ و تاز میں ہیں بتکدے سب برق بپا
ہے مگر میرا حرم بتکدۂ حیرانی

موجیں خاموش ہیں تنویرؔ میرے دریا کی
گرچہ ہر جوئے تنک سایہ میں ہے طغیانی

(روزنامہ الفضل مورخہ 16 اکتوبر 1951ء)

سفر

هم کہاں جاتے ہیں؟ اے دوست!
کتنی تاریکی ہے؟
آخر اے دوست! ذرا سوچ کہاں جاتے ہیں؟
وہ جو اک شمع سی جلتی ہے وہاں گھاٹی پر
وہ! نہیں۔ بجھ بجھی گئی
پھر جل اُٹھی ہے وہی شمع نہیں! شمع نہیں!
بجھتی ہے، جلتی، پھر بجھتی ہے، پھر جلتی ہے
کیا یہی کھینچتی ہے ہم کو ادھر؟
کھینچ کر ہم کو لئے جاتی ہے گھاٹی کی طرف؟
یا ہمیں آپ بڑھے جاتے ہیں؟
تھک گیا، اب تو زیادہ مجھ سے۔
یہ مسافت نہیں طے ہو سکتی
مڑ کے کیا دیکھتے ہو دوست؟

آہ! ڈھلوان کا نظارہ ہے کتنا دلچسپ
روشنی؟ سامنے وہ! خیر!
آؤ مڑ جائیں، چلو
آہ! ڈھلوان کا نظارہ ہے کتنا دلچسپ
اُف یہ دیوار یہ دیوار ہے کیا؟
ٹھوس شفاف یہ دیوار کھڑی ہے کیسی؟
ایک گز ایک ہی فٹ
انچ کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہٹ سکتے
ہم اتر سکتے نہیں پہلے ذرا
ہم سرک سکتے نہیں پیچھے ذرا
سامنے گھاٹی پہ وہ شمع جلے جاتی ہے
جتنا ہم بڑھتے ہیں اتنی ہی زیادہ ہم سے
روشنی اور سرکتی ہے پرے
اور اب پیچھے بھی مڑ سکتے نہیں
کتنی مجبوری ہے؟
ہم کو درپیش ہے یہ کیسا سفر؟
دوست!

(روزنامہ الفضل مورخہ 21 اکتوبر 1951ء)

○

اُٹھے گا خاکسترِ انجام سے آغاز پھر

آرہی ہے کان میں دلکش وہی آواز پھر
چھیڑا ہے نغمہ گرِ کُن نے ازل کا ساز پھر

کس ادا سے ہو رہے ہیں آج ہم آغوش دیکھ
حلقۂ دام نیاز اور پائے مرغِ ناز پھر

آپ اپنے آپ سے ٹکرا گئی ہے کائنات
ہے رگِ چقماق سے باہر شرارِ راز پھر

اک نئی دنیا کی رکھی جا رہی ہے بناء
اٹھے گا خاکستر انجام سے آغاز پھر

شعلۂ نمرود سے بنتے ہیں لالے کس طرح
اپنی آنکھوں سے تو دیکھے گا وہی اعجاز پھر

یہ مسیحائے زمانہ کی سانس کی تاثیر ہے
ہو رہا ہے جانفزا تنویرؔ کا انداز پھر

(روزنامہ الفضل 15 اپریل 1942ء)

○



Mr. Sheikh Roshan Din Tanveer Sahib
Ex. Editor Daily 'Al-Fazal' Qadian

مسیح وقت کی آواز ہے سنو تو سہی
نئے جہان کا آغاز ہے سنو تو سہی
اذان اُٹھی ہے پھر مسجد مبارک سے
وہی بلال کا انداز ہے سنو تو سہی

ISBN 81-9055567-7
9788190555678

Compiled by:
Mubarak Ahmad Tanveer
U.S.A